داستانِ دل

مئی 2016

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

محبت نامے ❊ خطوط ❊

انچارج: ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو

نوٹ: انشاءاللہ داستانِ دل بہت جلد کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ جن کے پہلے تین شمارے، عشق نمبر، دوستی نمبر، ماں نمبر، سے شائع ہوں گیں۔ تمام رائٹیر اور شاعر حضرات آج ہی ان عنوان پر اپنی تحریں ہمیں ارسال کر دیں۔
جس میں بیسٹ رائیٹر اور شاعر کو انعام سے نوازا جائے گا۔ پوسٹ ایڈریس: ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 79/5.L ڈاک خانہ 78/5.L ساہیوال۔

دعا گو: نزہت جبین کراچی

السلام علیکم!

امید ہے اسٹاف ممبران سب خیریت سے ہوں گے۔ "داستان دل کے عنوان سے پیپر ملا۔ جب میں نے سنا تھا کہ ندیم عباس کوئی اخبار کا اجراء کر رہا ہے تب سب نے سوچا ندیم عباس جو چھوٹا سا بچہ ہے جو مجھے ماما کہتا ہے مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کرتا ہے وہ اتنا بڑا کام کیسے کر سکتا ہے مگر سب نے اسے بہت ساری دعائیں دیں دل سے۔ اس کی کامیابی کے لیے دعا کی اور جب داستان دل اخبار کی صورت میرے ہاتھ میں آیا تو میں حیران رہ گئی کہ اس بچے نے ماشاءاللہ اتنا بڑا کام کر لیا ہے اور الحمدللہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہا ہے۔ داستان دل کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ بہتر نہیں بلکہ بہترین کوشش ہے جو کامیاب بھی رہی (الحمدللہ) تھوڑی بہت جو کمی میں نے محسوس کی ہے اس کی نشان دہی کر دی ہے۔ انشاءاللہ آگے مزید بہتری ہوگی بہت ساری دعائیں ساری ٹیم کے لیے کہ اللہ پاک تمہیں کامیاب، کامران کرے اور اور آہستہ آہستہ تم لوگ اس پیپر کو کتابی شکل میں بھی لے آؤ اللہ تعالٰی بہت ترقی عطا کرے (آمین)

«نوازش، آپ سب کی دعاؤں سے کامیابی ملی ہے۔ ماما اس محفل میں [illegible] اتنا ساتھ رہنا [illegible] نا انصافی ہے۔ آئندہ انصاف کرنا، ورنہ۔۔۔»

مہوش ملک

السلام علیکم۔۔۔

سب سے پہلے تو "داستان دل" کی کامیاب اشاعت پر پوری ٹیم کو دلی مبارک باد۔۔۔ بے شک ادب کی دنیا میں "داستان دل" ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اللہ کرے یہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ اب آتے ہیں تفصیلی تبصرے کی جانب۔ داستان دل 6 تاریخ کو موصول ہوا۔ بہت شکریہ ندیم عباس ڈھکو صاحب کا کہ انہوں نے ہمیں یاد رکھا۔ اللہ جزائے خیر دے۔ سب سے پہلے اپنے پسندیدہ سیگمنٹ شاعری کی طرف بڑھتے ہیں۔ سب دوستوں نے اچھی کاوش کی۔ نزہت جبین ضیاء نے بہت اچھی غزل لکھی۔ اس کے بعد ندیم عباس چوکی، صدام فدا اور ندیم عباس ڈھکو کا انتخاب بھی قابل تعریف ہے۔ اس کے بعد ندیم عباس چوکی کی تحریر "محبت صدا غم دیتی ہے" پڑھ کے دل بے اختیار بھر آیا۔۔۔ ماہی کا انجام بہت دکھی کر گیا۔۔۔ شام تنہائی۔ ندیم عباس ڈھکو کی تحریر بھی بہت زبردست لگی۔ دوسری قسط کا شدت سے انتظار «جی آپی» ۔۔۔ اور لگتا ہے راج محمد کی دیوانگی نے سندس کے دل کی دھرتی میں بھی ہلچل مچا دی ہے۔ افسانہ "گلابی جوڑا" میں ثمینہ فیاض نے معاشرے کے [illegible] خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ باقی سلسلے بھی خوب رہے۔ تفصیلی تبصرہ کرتی مگر جگہ کی کمی کے باعث۔۔۔ ایک چیز کی کمی شدت سے محسوس ہوئی وہ ہے "مشہور اقوال" «شکریہ آپکی رائے پہ عمل ہوگا ہمیشہ اپنی رائے سے نوازتے رہنا»۔۔۔ اب اجازت چاہتی ہوں اگلے ماہ تک کیلئے۔۔۔ خوش رہیں
اللہ حافظ

«اچھا، داستان دل کو آپکی تحریر کا انتظار رہے گا۔ اس محفل سے غیر حاضری نہیں چلے گی کچھ سمجھے۔۔۔؟»

آصف جاوید زاہد ساہیوال

السلام علیکم!

ندیم بھیا اپنی چھوٹی سی عمر میں اتنا بڑا کام۔۔۔ یقین نہیں آتا۔ چھپے رستم ہی نکلے ہو۔۔۔ تمام لوگ جنہوں نے "داستان دل" پڑھا اس میں لکھا اور پسند کیا ان تمام دوست احباب کا شکریہ۔۔۔ [illegible] "داستان دل" میں لکھنا چاہو [illegible] آپ لکھنا چاہو [illegible] گھبرائیے [illegible] خوش آمدید کہتے ہیں۔۔۔ اگلے شمارے تک فی امان اللہ

رائٹر: سماویہ چوہدری عبداللہ لاہور

اسلام علیکم!

داستان دل کے تمام سٹاف، ریڈرز، اینڈ رائٹرز اور رائٹرز گروپ کے چاہنے والوں کو دل کی گہرائی سے سلام پیش کرتی ہوں آپ سب کو اللہ تعالٰی لمبی عمر اور زندگی کی نئی خوشیوں سے ہمیشہ نوازتا رہے داستان دل میں جن رائٹرز کو شامل کیا گیا ہے مجھے ان سب کی حوصلہ افزائی کرنی ہے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنا چاہتی ہوں اپنے قلم کو ہمیشہ اسے ہی مضبوطی سے تھامے رکھے۔ اور اپنے احساس کا اظہار کرتے رہے۔ تمام سٹاف نے اس پہ جو محنت کی ہے میں اس سے متاثر ہوں۔ مجھے داستان دل کا پہلا شمارہ پڑھ کر بہت اچھا لگا میرے پاس داستان دل کا ڈائجسٹ دستیاب نہیں تھا۔ اس لیے میں مکمل ریڈ نہیں کر سکی۔ کوشش کروں گی اگلی بار ان رائٹرز کا نام لوں جن کی غزلیات مجھے بہت زیادہ اچھی لگی۔ امید کرتی ہوں کہ جس طرح داستان دل کے پہلے شمارے میں کام کیا گیا ہے آگے ہوتا رہے گا۔ اللہ آپ سب کو ایسے ہی محنت کرنے کا جزبہ دے۔ اس ٹیم کے ساتھ جڑے تمام رائٹرز اور قاری سب کو خدا خوش رکھے۔ آمین

ملک علی رضا فیصل آباد 0300 8664070

السلام علیکم!

محترم جناب ندیم عباس صاحب امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ شعر و ادب کی جان برادرم ندیم عباس [illegible] داستان دل کا پہلا شمارہ محبتوں کی پہچان، [illegible] بکھراتا ہوا موصول ہوا۔ خوشی سے دل میں مہک [illegible] شکر گزار ہوں کہ آپ کی جانب سے ملنے والی یہ سوغات حسن و جمال کے پھولوں سے آراستہ ہوئی ہے۔ زیر نظر شمارہ ایک کہکشاں کی مانند دکھائی دیا۔ اس کے صفحات پر ادب کے حسن و جمال ستارے امتیاز عاصم، ثمینہ فیاض، شعیب عالم، محمد شعیب، ام حبیبہ عزیزین اختر، محترم افضل آزاد، رانا ظفر، مریم مہربان، محسن علی طالب دکھائی دیئے۔ دعا ہے کہ خدا پاک آپ کے ارادوں کو توانا ہوں سے سجائے رکھے۔ ادب سب کے لیے

محمد شبیر ڈھکو 101/D پاکپتن

ماہ اپریل کا داستان دل بطور گفٹ وصول ہوا۔ جس کا مطالعہ کرنے کے بعد میری خوشی کی انتہا نہ رہی سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ ادبی اخبار داستان دل کے ایڈیٹر ملک ندیم عباس ڈھکو ہیں۔ ادبی کاوش بہت اچھی ہے۔ ندیم عباس کی تحریر اکثر میری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں میں نے شروع شروع میں بہت حوصلہ دیا اور آج میری حوصلہ افزائی کا یہ صلہ ہے کہ ندیم عباس ڈھکو نے پوری دنیا میں اپنی پہچان بنا لی ہے۔ میری دُعا ہے کہ ندیم عباس ڈھکو کو دن دگنی رات چوگنی ترقی ملے (آمین) اب معلوم ہوا کہ حوصلہ افزائی بہت اہمیت رکھتی ہے حوصلہ افزائی ہی دوسروں کی کامیابی ہوتی ہے تو دوستوں ہمیشہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں انشاءاللہ اب میں نے قلم اٹھا لیا ہے انشاءاللہ جب تک سانسوں کا روح سے رشتہ قائم رہا اس محفل کو حصہ بنتا رہوں گا۔

غزل

تیرے ہجر کی پیاس میں تڑپتا رہا اک عمر میں
نادان اک تو ہی ہجر نہ بن سکا میرا
میں تو تیری پلکوں کا گلدستہ ہوا کرتی تھی
پھر تُو نے ہی انجان بن کے مسلہ ڈالا ایسا
تیری یادوں کی دھوپ جانے ہمیشہ اپنی آنکھوں میں
دھوپ تو خود ہی بجھ گئی جب آنکھوں نے کی بے وفائی تو
دل کو کیسے یقین دلاؤ کے وہ تو نری کا اک درد تھا
جیسے رسم وفا ہی نہ نبھانے تھی اس وفا کا درد کیا جانے

سیدہ امامہ علی

جن دوستوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہم ان سب دوستوں کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

حزل حسین نازش اوکاڑہ، محمد عامر راہت سوز، علی شان ہجر و شادو تیمم، ماسٹر حنیف ساہیوال، رضوان احمد ساہیوال، اللہ دتہ مخلص، بلال احمد فیصل قبول عارف والا، شاہد رفیق سیو گیرہ، محمد فیصل عارف والا، مجید احمد جائی ملتان، محمد اسماعیل ساہیوال، علی رضا فیصل آباد، مدد حسین بلوچ عارف والا، حکیم جاوید ندیم فیصل آباد، سیف الرحمٰن زخمی سیالکوٹ، [illegible]

منظور احمد بلوچ میاں چنوں، سدرہ ناز، اسرار رفیق ملتان، ریاض حسین قمر، راشد لطیف صیرے والا، رانا سرت نور یں، حافظ شفیق ساجد کشمیر، عمر شہباز اختر، عمر دراز آکاش بزمی والا، حافظ سعید و شمیم، حکیم زیر اعظم ساہیوال، احتر حیات عامر، ماہم کنول منڈی بہاؤالدین، شگفتہ سیال، آصف اکبر ملتان، رضیہ ارم میں، ثاقب جاوید قتیل ساہیوال، [illegible]

پاک فوج کو سلام

LIAQUAT

کنول جی تنہا

السلام علیکم ندیم بھائی!

کیا حال ہے اپکا یقین کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ ندیم بھائی مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ ادبی اخبار شائع کر رہے ہیں۔ ندیم بھائی آپ کے کہنے پہ میں اپنے گروپ کے ساتھ انٹری دے رہا ہوں۔ یقین کرتا ہوں ہمارا ادبی اخبار بہت جلد پورے پاکستان میں پھیل جائے گا اور بہت ترقی کرے گا۔ انشاءاللہ بھائی جان میرے بہت سارے دوست میرے گروپ میں انٹر ہو چکے ہیں اور کچھ کام کی مصروفیات کی وجہ سے انٹر نہیں ہوئے لیکن عنقریب وہ بھی ہو جائیں گے۔ میرے سنئیر رائٹر۔ کنول جی تنہا وسیم رضا۔ ابرار احمد۔ مجاہد علی بھکر۔ شہباز ساگر۔ شہزاد احمد وصی۔ آصف۔ امجد منیر۔ کاشف دوستوں کی فرمائش تھی OK بھائی ہم Don گروپ والے آپ کے ادبی اخبار کیلئے بہت اچھا ورک کریں گے اور آپ ہمیں مایوس نہ کرنا پلیز ہمیں آپ پر بہت بھروسہ ہے کہ آپ ہمارا دل نہیں توڑیں گے اللہ تعالٰی آپکو صدا خوش رکھے آمین

«شکریہ، خوش آمدید۔ آپکے دوستوں کی تحریروں کا انتظار رہے گا۔ اب تنہا بھی رہنا چھوڑ دو داستان دل کی ٹیم آپکے ساتھ ہے۔»

فاطمہ خان، مہاراشٹر، ہندوستان

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، داستان دل کا پہلا شمارہ ملا، پڑھ کر دل خوش ہو گیا، سب سے پہلے ندیم عباس ڈھکو صاحب کو بہت مبارک باد دینا چاہوں گی کہ انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر کی طرف ایک قدم بڑھا لیا، میں ندیم عباس ڈھکو صاحب کی بے حد مشکور ہوں کہ ان کی وجہ سے ہی اتنی دور ہوتے ہوئے بھی داستان دل پڑھ پانا ممکن ہوا۔ داستان دل!!!! کی داستان، کئی دلوں کی آواز صفحہ پر بکھری ملی، پڑھ کر کافی خوشی ہوئی، ثمینہ فیاض کا لکھا افسانہ، گلابی جوڑا اور محمد شعیب صاحب کی تحریر چالباز بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ امتیاز عاصم کا آرٹیکل ذرا سوچنا ذہن کو جھنجھوڑنے والا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دیگر تحریریں نظم، غزلیں وغیرہ نہایت عمدہ تھیں۔ ندیم عباس صاحب کی تحریر شام تنہائی کی پہلی قسط پسند آئی دوسری قسط کا انتظار ہے «جی»۔ مریم مہربان ملک کی تحریر اپنے کئے کی سزا دل کو چھو گئی۔ امید کرتی ہوں کہ "داستان دل" اردو ادب میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔ ایک بار پھر ندیم عباس ڈھکو صاحب اور "داستان دل" کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارک باد۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپکو اس میدان میں اور ترقی دے اور آپکو اردو۔۔۔ ادب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

«آپکی آمد نے ہمارے حوصلے بلند کر دیئے ہیں۔ ہمارے لیے فخر کی بات ہے کہ پاکستان سے باہر بھی داستان دل کے چرچے ہو رہے ہیں۔ جلد اپنی تحریر عشق، دوستی، ماں نمبر کے لیے ارسال کریں۔ شکریہ انتظار رہے گا۔»

اقصیٰ۔ ساہیوال

السلام علیکم!

بھیا ندیم کیسے ہیں آپ؟ پہلا شمارہ شائع ہونے پر دل سے مبارک باد وصول کریں۔ مٹھائی تو ہماری بنتی ہے سب تحریریں اچھی ہیں ہم پہلی دفعہ لکھ رہے ہیں اور امید کرتے ہیں بھیا آپ ہمیں اپنے شمارے میں جگہ ضرور دینا اور ہم ہمیشہ اب لکھتے رہیں گے میرے بھائی منیب اور حسیب کو بھی بے حد شوق ہے لکھنے کا آپ ان کی تحریروں کو جگہ لازمی دینا ہماری ڈھیر ساری دعائیں آپکے ساتھ ہیں ہمیشہ پھولوں کی طرح مسکراتے رہو۔ اور داستان دل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ اگر سانسوں نے ساتھ دیا تو پھر حاضر ہوں گے۔

چوڑی ٹوٹ جائے گی ٹکڑا پاس رکھوں گی
سب کو بھول جاؤں گی بھائی ندیم کو یاد رکھوں گی

شام تنہائی

قسط نمبر 2

تحریر:۔ ندیم عباس ڈھکو
0348-1648941

"تم نے اُس کا دل توڑا ہے۔ بے چارے کو بُری طرح گھائل کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں وہ صدمے سے بیمار پڑ گیا ہو؟" پہلی بار سندس کے دل نے کہا۔ "وہ بیماریوں سے اور آندھیوں سے لڑنے والا لگتا تھا۔ پھر کیوں نہیں آیا؟ اگر اُس نے پیچھا چھوڑ دیا ہے تو چلو اچھا ہی ہے۔ بدنامی کے خوف سے نجات تو مل گئی۔" وہ سنسان گلی میں پہنچتے ہی ٹھٹک گئیں۔ سایہ ہمیشہ پیچھے تو نہیں رہتا آگے بھی آ جاتا ہے۔ دونوں سہیلیوں نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ سر جھکا کر اس سے کترا کر جانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ انداز تو یہی تھا کہ راستہ روک رہا ہے۔ وہ غصے سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اُس ہاتھ کی آستین یوں اُلٹ گئی جیسے بازی پلٹ گئی ہو اُس ہاتھ پر اپنا نام پڑھتے ہی حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ نورگل نے شدید حیرانی سے کہا۔ "سندس! یہ تمہارا نام ہے۔" نام کے ایک ایک حرف پر لہو کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ سندس کو اپنی ایک ایک سانس چاقو کی نوک کی طرح چبھ رہی تھی۔ دل اُس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ ہر رسوائی خوفزدہ کر رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر روتے ہوئے بولی۔ "یا خدا! یہ تو میری بدنامی کا اشتہار ہے۔ یہ تم نے کیا کیا ہے؟ تم جہاں جہاں جاؤ گے، یہ ہاتھ میرے نیک نامی پر مٹی ڈالتا رہے گا۔" راج محمد کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے اس پہلو سے سوچا ہی نہیں تھا کہ جہاں جہاں جائے گا وہاں سندس کا نام اس کے وجود سے چپکا رہے گا۔ اُس پردہ نشین کو کب تک اپنی آستین میں چھپا کر رکھے گا؟ سات پردوں کے پیچھے سے بھی راز عیاں ہو جاتے ہیں۔ وہ اُسے کب تک ڈھانپ کر رکھ سکتا تھا؟ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "خدا گواہ ہے میں نے تمہیں بدنام کرنے کے لیے نہیں اپنے پیار کی انتہا جتانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ میری نیک نیتی کو سمجھو۔" نورگل نے کہا۔ "اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ تم دنیا والوں کو کیا سمجھاؤ گے؟ اُن سے کیا کہو گے کہ کس رشتے سے تم نے اس نام کو لہو لہو کیا ہے؟" "میں اس سے آگے بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ سندس کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن اسے بدنام کرنے کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتا۔" "تو پھر یہ ہاتھ دنیا والوں سے کیسے چھپاؤ گے؟ کیا اسے کاٹ کر پھینک دو گے؟" "ہاں۔ کاٹ کر پھینک دوں گا۔ اسے بدنام نہیں ہونے دوں گا۔ بس ایک بار۔۔۔۔ صرف ایک بار یہ کہہ دے کہ میں اس کے دل میں دھڑکتا ہوں۔" نورگل نے کہا۔ "یہ بے شرم نہیں ہے کہ ایسی بات زبان پر لائے۔" "زبان سے نہ کہے میرے خط کے جواب میں دل کی دھڑکنیں پیش کر دے۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ میرے خط کا جواب دیا جا سکے؟" نورگل سندس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔ پھر سرگوشی میں بولی۔ "یہ مان لو کہ تم نے اُس پر ظلم کیا ہے۔ اب بدنامی سے بچنا چاہتی ہو تو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ اس سے کہہ دو کہ کل خط کا جواب لکھ دو گی۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔ "مگر۔۔۔۔ مگر میں کیا لکھوں گی؟ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ میرا نام اس کے ہاتھ سے مٹ جائے گا؟ یہ نام تو اس کی کھال اور گوشت میں اترا ہوا ہے۔ کیسے مٹے گا؟" "ٹھہرو۔۔۔۔ میں بات کرتی ہوں۔" وہ

راج محمد کے پاس آکر بولی۔ "کل تمہیں خط کا جواب ضرور ملے گا۔ مگر تم میری سہیلی بدنامی سے کیسے بچاؤ گے؟" "میں یہ ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں گا۔" "پاگل پن کی باتیں نہ کرو۔ کوئی لڑکی کسی اپاہج سے محبت نہیں کرتی۔ بس کسی طرح اس نام کو مٹا ڈالو۔" "میں ابھی جا کر مٹا دوں گا۔ کوئی اس نام کا ایک حرف بھی نہیں پڑھ سکے گا۔" وہ وہاں سے چلا آیا۔ یہ سوچ کر دل مسرتوں سے بھرا ہوا تھا کہ بڑی تگ و دو کے بعد کل محبوب کا محبت نامہ ملے گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ نام کو کیسے مٹایا جائے؟ وہ ہاتھ کاٹ کر اپاہج نہیں بننا چاہتا تھا۔ اُس پر وحشت طاری تھی۔ سندس کے پیار میں ایسا اذیت پسند ہو گیا تھا کہ چاقو سے اُس ہاتھ کی پوری کھال اتار سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بازار سے تیزاب کی ایک بوتل لے کر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گیا۔ اُس بند کمرے میں وہ دیوانہ، پاگل، مجنوں جانے کیا کر رہا تھا؟ اُس کی ہلکی ہلکی کراہیں اور کبھی کبھی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر ایسی خاموشی چھا گئی، جیسے زندگی آرام سے سو گئی ہو۔ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی دور و نزدیک کی مسجدوں سے "اللہ اکبر" کی صدائیں گونجنے لگیں۔ بے شک۔۔۔۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ شمالی علاقہ جات کے دیوہیکل پہاڑ اور پُر ہیبت چٹانیں اس ذات واحد کی بزرگی کا پتا دیتی تھیں۔ ان فلک بوس چوٹیوں پر بنے خوبصورت آشیانوں سے وہاں کے باسیوں کا استقلال جھلکتا رہتا تھا۔ یہ کوہساروں پر راج کرنے والے جفاکش صدیوں سے ان چٹانوں کو مسخر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایسی ہی سرسبز و شاداب وادیوں سے متاثر ہو کر کسی شاہ نے کہا۔۔۔؟ میرے مولا! تیری جنت سے جدا لگتی ہے میری دھرتی مجھے معصوم دعا لگتی ہے۔ سندس کا گھر ایک بلند و بالا پہاڑ کے سینے پر طرہ امتیاز کی طرح سجا ہوا تھا۔ تیسرے روزے کا آغاز ہو چلا تھا۔ سندس کی ماں نے کہا۔ "وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے؟ آج تیسرا روزہ ہو گیا۔ اسی طرح تیس ہو جائیں گے اور پتا بھی نہیں چلے گا۔" شیرو نے کہا۔ "میں اسکول جاتا ہوں۔ مجھے پتا چلتا ہے۔ لنچ ٹائم میں بہت بھوک لگتی ہے۔ ایک ایک روزہ گن گن کر گزار رہا ہوں۔" ماں مسکراتے ہوئے بولی۔ "جب برداشت نہیں ہوتا تو روزہ کیوں رکھتے ہو؟ چلو۔۔۔۔ اب جلدی سے نماز پڑھو۔ پھر اسکول کی تیاری کرنی ہے۔" وہ وضو کے لیے چلا گیا۔ اسکول کے ذکر پر سندس پھر پریشان ہونے لگی۔ وہ پھر راستہ روک کر خط کا جواب مانگنے والا تھا۔ اس دیوانے کے عشق نے اور اس کی جنونانہ حرکت نے پہلی بار اس کے ذہن کو متاثر کیا تھا۔ دل کو جکڑ لیا تھا۔ وہ رات گئے تک کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ خط کا جواب دے کر بدنام نہیں ہونا چاہتی تھی۔ یہ اندیشہ حاوی تھا کہ وہ خط ہاتھ سے بے ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اپنوں اور غیروں میں اسے بے حیا، بے شرم بنا سکتا ہے۔ وہ مفت کی رسوائیاں مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی اور یہ چاہتی رہی کہ اس رات کی صبح نہ ہو۔ نہ صبح ہو، نہ اسے جواب لکھنا پڑے۔ نہ وہ دن نکلے نہ وہ راستہ روکنے آئے۔ اس عاشق کی دیوانگی نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جو اس کا نام اپنی کھال اور گوشت میں اُتار سکتا ہے وہ اسی چاقو کو اپنے سینے میں

اُتار سکتا ہے۔ اس کے سامنے پہاڑ کی بلندی سے موت کی پستیوں میں جا سکتا ہے۔ اس نے گھبرا کر دعا مانگی۔ "یا خدا۔۔۔۔! قیامت آجائے پر ایسا وقت نہ آئے کہ مجھے خط لکھنا پڑے اور نہ لکھوں تو وہ دیوانہ جان دیدے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے میں مر جاؤں۔ یہ دنیا میرے لیے مر جائے۔" پورا مظفر آباد نیلگوں فضا میں ڈوبا ہوا تھا۔ سُندس کی مرضی کے خلاف وہ صبح بھی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جنم لے رہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُبھرتا ہوا سورج حسب معمول روزانہ کی مصروفیات کے لیے پکار رہا تھا۔ زندگی میں لین دین کا جو دستور ہوتا ہے۔ اس کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ اور یہ لین دین کا معاملہ سُندس کے لیے عذاب بن گیا تھا۔ اس نے سوالی خط لیا تھا۔ اب اسے جوابی خط دینا تھا۔ شیرو اسکول جا چکا تھا۔ ماں نے پوچھا۔ "تم نہیں جاؤ گی؟" ماں نے اسکول جانے کی بات کی۔ اسے یوں لگا جیسے پھانسی کے تختے پر جانے کو کہا گیا ہے۔ وہ کمرے میں آ کر سوچنے لگی۔ "کیا کروں؟ خدایا۔۔۔۔! میں کیا کروں۔۔۔؟ کہاں جاؤں۔ کیا جتن کروں کہ وہ دیوانہ مجھے بھول جائے؟۔۔۔ ایسی کوئی صورت نہیں ہے۔ بچپن سے سنتی آ رہی ہوں کہ قیامت آنے والی ہے۔ ہمارے باپ دادا بھی سنتے سنتے اس دنیا سے گزر گئے۔ بس بہت ہو چکا۔ یا اللہ! اس سے پہلے کہ میں کسی مشکل میں پڑوں، قیامت آ ہی جائے تو اچھا ہے۔" کبھی کبھی منہ سے نکلی ہوئی دعا عرش تک پہنچنے سے پہلے ہی فرش کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ اسی لمحے میں اسی زور دار جھٹکا سا لگا۔ جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی گر پڑی۔ صرف اس کا ذہن ہی نہیں، در و دیوار بھی جھٹکے کھا رہے تھے۔ وہ اس اچانک اُفتاد پر بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ فوراً ہی سنبھل کر اُٹھنا چاہتی تھی کہ ایک اور جھٹکا لگا۔ وہ چیختی ہوئی اچھل کر ایک بڑے سے صندوق کے پاس آ گری۔ منہ سے نکلی ہوئی دعا قبول ہو رہی تھی۔ دیواریں گر رہی تھیں۔ چھت یوں سر پر آ رہی تھی، جیسے آسمان ٹوٹ رہا ہو۔ ابھی زندگی تھی۔ ابھی قدرت یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ اپنی عمر سے زیادہ زندگی نہ مانگو اور موت سے پہلے قیامت کو نہ پکارو۔ اس بڑے صندوق کے سائے میں پہنچنے کے باعث نہ اس پر چھت آئی نہ ہی گرنے والی دیواروں نے اسے دبوچا۔ البتہ منتشر ہونے والے پتھروں نے اسے بُری طرح زخمی کر دیا۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے ماں کو پکارا تو عقل نے سمجھایا کہ ماں بھی ایسی ہی قیامت سے دوچار ہو رہی ہو گی۔ وہ حواس باختہ سی ہو کر اُدھر جانا چاہتی تھی۔ لیکن جھٹکوں کی شدت اور چاروں طرف سے گرنے والے سامان کے باعث فرش پر آگے گھسٹ کر جانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی دیو اس گھر کے در و دیوار کو جھنجوڑ رہا ہے۔ چیزوں کے گرنے اور ٹوٹنے کی زور دار آوازوں کے ساتھ اُس نے ایک چیخ ماری۔ "ماں جی۔" باہر لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ پتا نہیں ماں نے جواب دیا تھا یا نہیں؟ بیٹی کی آواز اُس کے کانوں تک پہنچی تھی یا نہیں؟ اعصاب کو بُری طرح متاثر کرنے والے جھٹکوں نے کچھ سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خوبصورت آشیانہ اُلٹ پلٹ گیا تھا۔ وہ چارپائی جس پر

ماں تھوڑی دیر پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔ اُلٹ کر ماں کے اوپر آ پڑی تھی۔ گھر کی چار دیوار جو تحفظ کی ضامن تھی۔ وہ خوفناک آوازوں کے ساتھ زمین بوس ہو چکی تھی۔ گرد و غبار کے بادل سے چھا گئے تھے۔ غبار کے دھند لکے میں کچھ کچھ ایسے دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے زندگی کے آثار مٹتے جا رہے ہوں۔ فوری طور پر یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ قیامت آ گئی ہے۔ صور اسرافیل پھونکا جا رہا ہے۔ سُندس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ قبولیت کی گھڑی میں اس کے منہ سے دعا نکلی تھی وہ پوری ہو رہی ہے۔ زمینی جھٹکوں کی شدت ایسی تھی جیسے ان پہاڑوں کو سینکڑوں فٹ اوپر اٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا ہے۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا؟ وہ اپنے گھر کے ملبے میں اوندھی پڑی رہی۔ پھر اس نے ایک ذرا سر اٹھا کر دیکھا تو دائیں بائیں اوپر نیچے چاروں طرف ٹوٹی پھوٹی چیزوں اور پتھروں کے ڈھیر کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ملبے میں زندہ در گور کر دیا گیا ہو۔ وہ کھانستے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ آنکھوں میں مٹی کے ذرات چبھ رہے تھے۔ منہ کے اندر بھی مٹی مٹی سی ہو گئی تھی۔ پورا بدن جیسے ٹوٹ پھوٹ سا گیا تھا۔ کوئی ایسا حصہ نہیں تھا جہاں تکلیف کا احساس نہ ہو رہا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر زخمی سر ایک طرف ڈھلک کر دوبارہ زمین پر ٹک گیا۔ وہ بے دم سی پڑی ہوئی تھی۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں میں بیتی ہوئی قیامت کا لرزہ خیز منظر گھوم رہا تھا۔ ایسی تباہی کے بعد کوئی کیسے بچ سکتا تھا؟ وہ تھوڑی دیر تک یونہی پڑی رہی۔ اپنے ہونے اور نہ ہونے کا اندازہ کرتی رہی۔ ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو چکا ہے۔ زلزلے کا خیال نہیں آیا۔ بس ایک ہی بات ذہن میں تھی کہ قیامت آ گئی ہے۔ پھر وہ ایک دم سے چونک کر سیدھی ہوتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑائی۔ "ماں جی۔۔۔۔؟" اس قبر نما جگہ میں اتنی گنجائش تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ آخری وقت ماں کو کس طرف دیکھا تھا؟ اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اسے پکارا۔ "ماں جی۔۔۔۔!" پھر خاموش ہو کر جواب کا انتظار کرنے لگی۔ کوئی آہٹ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ سناٹا وہ تنہائی اعصاب چٹخا رہی تھی۔ اس نے بھیگی ہوئی آواز میں دوبارہ اسے پکارا۔ "ماں جی۔۔۔۔ اِتم کہاں ہو؟" وہ پھر کان لگا کر سننے لگی۔ حواس باختہ سی ہو کر دائیں بائیں ملبے کے ڈھیر کو تکنے لگی۔ شاید اس پتھر کے نیچے۔۔۔۔ نہیں اُس لکڑی کے پیچھے۔۔۔۔ اس سلیب کے نیچے سے۔۔۔۔ ماں کی آواز سنائی دے گی۔ مگر بہ دستور خاموشی چھائی رہی۔ وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے بولی۔ "ماں جی۔۔۔۔! تم کہاں ہو۔۔۔۔؟" وہ تو جیسے قبر میں تھی۔ دائیں بائیں اوپر نیچے شکستہ دیواروں کے بڑے بڑے چٹانی ٹکڑے اور مٹی ہی مٹی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ذہن نے چیخ کر کہا۔ "ماں بھی ایسی ہی کسی قبر میں پڑی ہوگی۔" وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو مٹی سے اٹے ہوئے چہرے کو بگھو رہے تھے۔ اس دیوانے کو محبت کا جواب محبت سے دینے سے پہلے قیامت آ گئی تھی۔ آہ۔۔۔۔ ادل سے نکلی ہوئی نادان آرزو دعا بن کر شرف قبولیت حاصل کر چکی تھی۔ کہیں سے

کوئی سسکاری سی ابھری۔ وہ فوراً ہی کان لگا کر سننے لگی۔ دبی دبی سی کراہوں سے دودھ کی شناخت مل رہی تھی۔ اس نے دائیں طرف جھکتے ہوئے بڑے جذبے سے چلا کر کہا۔ "ماں جی۔۔۔۔! وہ جلد جلدی اس طرف کے پتھروں کو ہٹانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہاں ایک شگاف بنتا چلا گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ ماں بڑی بے کسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ چارپائی کے نیچے تھی۔ اس لوہے کی چارپائی پر دیوار کا ایک حصہ آ گرا تھا۔ دیوار سیدھی اس پر نہیں آئی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چارپائی نے گرنے والے پتھروں کو ہٹاتے ہوئے اس شگاف کو کشادہ کر رہی تھی۔ پھر ایک ہاتھ وہاں سے گزار کر اس کا شانہ ہلاتے ہوئے بولی۔ "ماں جی۔۔۔۔ اِتم ٹھیک تو ہونا۔۔۔۔؟" اس نے بڑی نقاہت سے سر گھما کر بیٹی کو دیکھا۔ پھر گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے ایک بار پلکیں جھپکائیں۔ اس نے زبان سے نہیں آنکھوں سے جواب دیا تھا۔ بیٹی نے کہا۔ "منہ سے کچھ بولو ماں جی۔۔۔۔! ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم قبرستان میں ہیں اور ہمارے لیے ساری دنیا مر چکی ہے۔" ماں نے بڑی تکلیف سے کراہتے ہوئے ایسے دیکھا جیسے مدد طلب کر رہی ہو۔ وہ پہلی بار ماں کی آنکھوں کو رحم کی بھیک مانگتے دیکھ رہی تھی۔ وہ تڑپ کر بولی۔ "ہم پر یہ قیامت ٹوٹ چکی ہے۔ کوئی ہماری مدد کو کیوں نہیں آ رہا ہے؟ کیا ہماری طرح دوسروں پر بھی ایسی ہی قیامت آئی ہے؟" وہ گرد و غبار کے باعث کھانسنے لگی۔ ایسے وقت ذہن نے سمجھایا کہ قیامت نہیں آئی ہے زلزلہ آیا ہے۔ سب ہی پر یہ افتاد آئی ہوئی ہے۔ وہ ایک طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ماں جی! میں دیکھتی ہوں۔ کسی کو مدد کے لیے بلاتی ہوں۔" وہ ملبے کے ڈھیر تلے بیرونی دنیا سے کٹ گئی تھی۔ اس ڈھیر کے ایک طرف چھوٹے سے شگاف سے دن کا اجالا جھانک رہا تھا۔ وہ اُدھر منہ کر کے مدد کے لیے پکارنے لگی۔ باہر پھیلی ہوئی افراتفری میں اس کی وہ کمزور سی پکار کسی کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نہ جانے کتنی ساعتیں گزر گئیں؟ اس نے پلٹ کر مایوسی سے کہا۔ "لگتا ہے باہر کوئی نہیں ہے۔" ماں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "ماں جی۔۔۔۔ اِتم ٹھیک تو ہونا۔۔۔۔؟" اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سُندس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے تڑپ کر آواز دی۔ "ماں جی۔۔۔۔!" "ماں" نے بڑی ہی نقاہت سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اُس پر جیسے بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھر بند ہو گئی تھیں۔ بیٹی کو کتنے ہی اندیشوں نے گھیر لیا۔ ماں نے آنکھیں بند کر کے اسے اتنی بڑی دنیا کے قبرستان میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر باہر سے آنے والی روشنی کی طرف دیکھا۔ مصائب کے اندھیروں میں ایک ذرا سی روشنی بھی حوصلہ دیتی ہے۔ اسے خود ہی حوصلے سے کچھ کرنا تھا۔ اندیشے کہہ رہے تھے۔ "ماں چپ ہے تو اسے زندگی کی صدائیں سناؤ۔ ورنہ زندگی چپ رہی تو ابھی زلزلے لے سے چھت گئی ہے ماں کا سایہ بھی چلا جائے گا۔" وہ اس ملبے میں راستہ بنانے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی احساس ہو گیا کہ وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔ زندگی کی کشش اپنی طرف کھینچتی ہے تو

پتھریلے پہاڑوں میں بھی سرنگ بنتی چلی جاتی ہے۔ اس کے نازک ہاتھ اس ملبے کو کرید رہے تھے۔ دیر سے ہی۔۔۔۔ مگر اسے یقین تھا کہ وہ ماں کے ساتھ زندہ سلامت اس قبر سے ضرور نکلے گی۔ جنت نظیر مظفر آباد پلک جھپکتے ہی کھنڈر بن گیا تھا۔ زلزلے کے جھٹکے آئے اور تمام مکانوں کو مکینوں سمیت زندہ در گور کرتے چلے گئے۔ جو مکانوں، دکانوں اور بڑی عمارتوں سے باہر تھے۔ وہ در گور تو نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بُری طرح حواس باختہ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ چند منٹوں میں کشمیر کا حسن اور دنیا کی رونق کیسے نابود ہو گئی ہے؟ وہ سردیوں میں کوہسار کی دھند دیکھتے تھے۔ اُس وقت گرد و غبار کی دھند میں اپنی شناخت کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ ساری رونق حسن اور شادابی ملبے میں دب گئی تھی۔ چند لمحوں بعد گرد و غبار کا طوفان کم ہوا تو تباہی کی نوعیت معلوم ہوتے ہی سب کے ہوش اڑ گئے۔ کوئی گھر سلامت دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تمام عمارتیں، سرکاری دفاتر، اسکول کاروباری مراکز ہسپتال، مسجدیں سب ہی زمین بوس ہو گئی تھیں۔ ہر سمت سے آہ و بکا اور چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ جو بچ گئے تھے وہ سیمنٹ، بجری اور پتھروں کے ڈھیر میں اپنے پیاروں کو تلاش کرنے لگے۔ کہیں زندگی کے آثار مل رہے تھے، کہیں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ راج محمد اور رزاق اپنی دکان کی طرف جا رہے تھے۔ ایسے وقت قیامت خیز زلزلے نے انہیں راستے میں ہی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے سڑک پر گر پڑے۔ ہونٹوں کی طرح آس پاس کی لرزتی، کانپتی اور پھر زوردار آوازوں کے ساتھ گرتی ہوئی عمارتوں کو دیکھنے لگے۔ چھوٹے بڑے پتھر اور مختلف سامان اُڑ اُڑ کر ایسے اُن کی طرف آ رہے تھے۔ جیسے آسمان سے پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ پہاڑوں کو کبھی کسی نے ایک ذرا ہلتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس وقت وہ سوکھے پتوں کی طرح لرز رہے تھے۔ یہ سلسلہ چند سیکنڈ تک جاری رہا پھر جیسے لرزتی ہوئی زمین کو قرار آ گیا۔ ایک قیامت آ کر گزر گئی۔ اپنی دہشت سے دلوں کو دہلائی اور دماغوں کو ماؤف کر گئی۔ وہ جس سڑک پر پڑے ہوئے تھے اس کے بیچوں بیچ نہ جانے کتنی فٹ گہری دراڑ دور تک پڑتی چلی گئی تھی؟ وہ تھوڑی دیر تک سہمے ہوئے سے پڑے رہے۔ بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ جب ذرا حواس بحال ہوئے اور سمجھ میں آیا کہ زلزلہ آ کر گزر گیا ہے تو وہ اپنے اوپر سے چھوٹے بڑے پتھروں کو ہٹاتے ہوئے اٹھ بیٹھے پھر یوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسے روز محشر مُردوں کی طرح اپنی اپنی قبر سے نکل آئے ہوں۔ سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں دور تک کہیں لاشیں دکھائی دے رہی تھیں، کہیں زخمی کراہ رہے تھے۔ ہر طرف سے ماتمی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ لوگ بدحواس سے ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ایک افراتفری کا عالم تھا۔ راج محمد دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یا خدا! یہ کیسی قیامت آ گئی ہے۔" "یوں لگتا ہے، پوری دنیا غارت ہو گئی ہے۔" "اس کا لباس پھٹ گیا تھا۔ جو چادر وہ لپیٹے ہوئے تھا وہ پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی؟ رزاق نے اپنے زخموں کو بھول کر راج محمد کے بائیں ہاتھ کو دیکھا۔ وہ ہاتھ کہنی کی طرف سے مڑا ہوا تھا اور بازو سے چپک گیا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

جذبات کے فیصلے

تحریر:۔ آصف جاوید زاہد ساہیوال
0304-6552827

رنگا رنگ روشنیوں سے مہکتے گھر میں خوشیوں کا سمندر امڈ آیا تھا جب شاہ زیب کی مہندی کی رسم جاری تھی۔ دو بھائیوں میں سے سب سے چھوٹا اور لاڈا گھر کے ٹوٹل چار افراد شاہ زیب بڑا بھائی فیصل والدہ بیگاں جی اور والد فتح دین گھر کے تمام افراد میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تمام افراد جھنگ کے ایک چھوٹے سے قصبے کے ایک خستہ حال گھر میں رہتے تھے۔ شاہ زیب نے ایف اے (F.A) کے بعد ایک فیکٹری میں جوب کر لی تھی اور اب شاہ زیب کی شادی زور و شور کے ساتھ عروج پر تھی۔ اگلے دن ولیمہ اور برات اکٹھا ہوا اور اس سے اگلے دن تمام مہمان گھروں کو جانے لگے۔ دس دن کی چھٹی کے بعد شاہ زیب پھر سے فیکٹری جانے لگا۔ تین ہفتوں بعد جب وہ ایک دن گھر آیا تو اسے بیوی نے شادی کارڈ دیا جو اس کے دوست رضوان کا تھا رضوان شاہ زیب کا بہت گہرا دوست تھا دونوں بچپن سے ایک ساتھ پڑھتے آئے تھے لیکن اب رضوان اور اس کی فیملی جھنگ سے سرگودھا شفٹ ہو گئے تھے۔ ایک ہفتہ بعد رضوان کی شادی تھی شاہ زیب نے دو کپڑے کے جوڑے سلوائے فیکٹری سے پانچ دن کی چھٹی لی اور اپنے دوست کی شادی کے لیے سرگودھا روانہ ہو گیا۔ شاہ زیب کا رضوان اور اس کے تمام گھر والوں نے بڑے اچھے انداز سے ویلکم کیا۔ مہندی کی رات تھی رات دو بجے تک خوب ہلا گلا ہوتا رہا۔ پھر تمام لوگ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ شاہ زیب اور رضوان ایک کمرے میں سو گئے۔ صبح 8 بجے اٹھے تو ناشتہ کیا 2 بجے رات کا ٹائم تھا۔ تین بجے بارات دلہن کے گھر پہنچ چکی تھی۔ شام جب دلہن کو گھر لایا گیا تو رضوان بہت خوش لگ رہا تھا۔ اگلے دن ولیمہ ہوا تو شام کو تمام لوگ اپنے گھروں کو جانے لگے۔ شاہ زیب نے بھی رضوان سے اجازت مانگی تو رضوان نے کہا بھائی آپ کل چلے جانا۔ لیکن شاہ زیب کے ذکر کرنے پر رضوان نے اجازت دے دی تمام گھر والوں نے بڑے پیار سے اور ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ شاہ زیب کو رخصت کیا۔ شاہ زیب رات 10 بجے گھر پہنچا تو تمام لوگ سو چکے تھے۔ اس نے سوچا اگر دروازہ کھٹکھٹایا تو سب لوگ جاگ جائیں گے۔ گاؤں میں گھروں کی چار دیواریاں اکثر چھوٹی ہوتی ہیں۔ ان کے گھر کی چار دیواری بھی چھوٹی تھی۔ اس نے چار دیواری کو پھلانگا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا بیوی نے کمرے کا دروازہ کھولا سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ صبح جب بیگاں بی بی اپنی بہو کو اٹھانے کے لیے گئی تو اس نے دیکھا کہ کمرے میں تو دو لوگ سوئے ہوئے ہیں تو اس نے فوراً جا کر اپنے میاں کو بتایا کہ ہماری بہو کے کمرے میں اس کے ساتھ کوئی سویا ہوا ہے۔ فتح دین نے اپنے بڑے بیٹے فیصل کو سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے سوچا یہ تو غیرت کا معاملہ ہے۔ اسی لیے فیصل نے کلہاڑی پکڑی اور اس کے والد (فتح دین) نے بندوق۔۔۔ والد نے بڑے بیٹے فیصل کو کہا تم کلہاڑی لے کر اندر جاؤ اگر کوئی مسئلہ بنے تو مجھے آواز لگانا۔۔۔ فیصل اندر آ گیا اور کلہاڑی کے ایک ہی وار سے سونے والے کا سر تن سے جدا کر دیا جب اس فیصل نے سونے والے کے منہ سے کپڑا اتارا تو ایک زوردار چیخ ماری جب فتح دین نے چیخ سنی تو اس نے سمجھا فیصل کو کوئی مسئلہ بن گیا ہے وہ فوراً دروازے میں آیا اور فائرنگ کر دی گولیاں فیصل کے جسم کو چھلنی کرتی ہوئیں پار ہو گئیں۔ پیچھے سے ان کی ماں بیگاں بھاگتی ہوئی آئی جب اس نے کمرے کا منظر دیکھا تو وہ ہارٹ اٹیک کا شکار ہو گئی یہ سارا منظر دیکھ کر ان کا باپ پاگل ہو گیا۔ ایک چھوٹی سی غلطی اور تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے پورا گلشن اجڑ گیا۔

حکومت پاکستان کی طرف سے روزانہ 4 ہزار کی اشاعت کا سرٹیفکیٹ

ABC CERTIFIED

E-mail Address: roznama.jamhoristan@yahoo.com
Facebook: roznama.jamhoristan

عوامی امنگوں کا ترجمان
54 سال سے اشاعت کے ساتھ

DAILY JAMHORISTAN SAHIWAL LAHORE

روزنامہ جمہورستان لاہور۔ساہیوال

بانی غلام محمد کھرل

چیف ایڈیٹر رائے نوید احمد کھرل

Mobile # 0321-0300/9695392

ڈسٹرکٹ نمبر 294

جلد نمبر 54

ماہ مئی 2016ء

عفو و درگزر سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

مولانا عبدالغفور نقشبندی کیلانی حافظ آباد

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا۔ اور آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے [illegible] مانے کا حکم دیا۔ اسی طرح حضرت سیدنا ابی بن کعب سے روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ جسے یہ پسند ہو کہ اس کے لیے جنت میں محل بنایا جائے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں تو اسے چاہیے کہ جو اس پر ظلم کرے۔ اسے معاف کرے اور جو اسے محروم کرے اسے عطا کرے اور جو اس سے قطع تعلق کرے یا اس سے تعلق جوڑے رکھے اللہ امن و آشتی کی طرف راہنمائی کرتا اور امن کا مذہب ہے۔ ہم اپنی نماز ختم کرتے ہوئے اسلام پھیرتے ہیں۔ تو اپنے دائیں بائیں والوں کو امن کی دعا دیتے ہیں کہ تم پر سلامتی اور رحمت ہو۔ امن و امان تحفظ آشتی اور سکون کی دعاؤں کے ساتھ ہم اپنی عام زندگی کی طرف ایک بار پھر لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اسلام سختی ظلم یا شدت پسندی کا دین نہیں ہے۔ یہ عفو و درگزر اور تحمل کا پیام دیتا ہے۔ فخر کائنات محبت اور الفت کا نمونہ تھے۔ آپ نے غیر مسلموں کو بھی برا کہنے سے روکا۔ قرآن کریم بڑی شدت سے عفو و درگزر اور تحمل پر زور دیتا ہے۔ ایک آیت میں نیک لوگوں کی صفت یوں بیان کی گئی ہے کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں [illegible] چکے تھے انہیں کھولنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے لوگوں کے لیے زحمت بنا کر نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کوئی بھی غیر مسلم کسی بھی وقت اسلام قبول کر سکتا ہے کوئی بھی شخص کسی بھی وقت چاہے وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اللہ سے معافی مانگ سکتا ہے پیغمبر ﷺ خدا بچوں پر خصوصاً مہربان تھے جب بھی کسی بچے کو روتا دیکھتے تو اس کے ساتھ بیٹھ جاتے اور اس کی شکایت سنتے آپ کو بچوں کی ماؤں سے زیادہ ان کا درد ہوتا آپ نے فرمایا جس نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں اور اسے لمبی کرنا چاہتا ہوں تو مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے اور اسے مختصر کرتا ہوں تاکہ اس کی ماں کی پریشانی کم ہو۔ آپ کا فرمان ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ جب حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ عیادت کرنے ان کے گھر گئے۔ اپنے اس وفادار صحابی کی حالت دیکھ کر آپ سے رہا نہ گیا۔ آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا خدا کسی آنسوؤں یا غم کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا بلکہ اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے قربانی کی طرف اشارہ فرمایا۔ قبلہ مقرن کے [illegible] نے حضرت ابوذرؓ کو طلب کیا اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی بھی تمہارے اندر جاہلیت کی نشانی موجود ہے اس پر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے حضرت ابوذرؓ زمین پر لیٹ گئے اور فرماتے تھے میں یہاں سے اپنا سر اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک اپنا پاؤں اس پر نہیں رکھ دیتے لیکن حضرت بلالؓ نے انہیں معاف کر دیا اور اس طرح دونوں کی صلح ہو گئی یہ وہ تعلق اور رشتہ تھا جو اسلام نے ان لوگوں میں پیدا کر دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر عاجزی و انکساری سے چلتے ہیں جب کوئی جاہل ان سے مخاطب ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو (القرآن) جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو وہاں سے منہ کر چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہمارے لیے ہمارے اعمال (القصص) ان آیات کا عمومی خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں خدا کی عبدیت سے نوازا گیا ہے جب ان کا برے لوگوں سے سامنا ہوتا ہے تو وہ کوئی بری بات نہیں کہتے بلکہ درگزر کرتے ہوئے باعزت طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

شارٹ اسٹوری

کتنی بار تم کو کہا ہے کہ یوں منہ اٹھا کر ہر ایک کے سامنے نہ آ جایا کرو بچی نہیں ہو تم کتنا سمجھاتی ہوں تم کو مگر تم کو میری کوئی بات سمجھ آتی ہی نہیں ہے۔ کیا ضرورت تھی مسز مسیح کے سامنے آنے کی جانے کیوں تمہیں شوق ہے ہر ایک کی ہمدردیاں بٹورنے کا تو جاؤ جا کر بٹورو زمانے کی ہمدردیاں بتاؤ انہیں جا کر شادی شدہ ہو نہیں بلکہ بیوہ ہو تم میاں مر چکا ہے تمہارا، تم ایسی دلہن ہو جس کے بخت کی سیاہی نے ایک انسان کو قبر کے اندھیروں میں اتار دیا ہے تم وہ دلہن ہو جس کے نصیب میں میکے کی دہلیز پار کرنا نہیں لکھی تھی تمہاری شادی پر کی جانے والی ہوائی فائرنگ میں تمہارا دولہا لقمہ اجل بن گیا تھا تم وہ منحوس دلہن ہو جو شادی (ہوتے ہی اپنے میاں کو کھا گئی ہو)

ازقلم: اشعر۔ عیسیٰ خیل

ازقلم افشاں شاہد

ا۔ بیگم "جی نائمہ کے ابو" "بھائی صاحب نے نائمہ کا ہاتھ مانگا ہے عدنان کے لیے" "ارے یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے پھر آپ کیوں اداس ہیں کیا آپ اس رشتے کے لیے رضا مند نہیں ہیں" "رضا مند تو ہوں لیکن عدنان فوج میں ہے یہ بات مجھے تھوڑا سا پریشان کر رہی ہے کیونکہ فوجیوں کی اپنی زندگی نہیں ہوتی وہ اپنی زندگی اپنے ملک کی حفاظت کے لیے پہلے ہی وقف کر چکے ہوتے ہیں۔" آپ اللہ پر بھروسہ کر کے بھائی صاحب کو ہاں کریں باقی نائمہ کا نصیب" نائمہ اور عدنان ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے اگلے دن خوشگوار اور راتیں حسین تھیں کہ سرحدوں پر جھڑپیں شروع ہو گئیں سب فوجیوں کو ڈیوٹی پر بلا لیا گیا اور عدنان چلا گیا۔ ہمیشہ کے لیے وہ پاک دھرتی کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گیا لیکن نائمہ کو وہ اپنا عکس دے گیا جس کے سہارے اب نائمہ کو اپنی پوری زندگی گزارنی تھی۔ (چند سال بعد) "ا۔۔۔۔ امی امی" "جی بیٹا ارمان بولو" "امی میں آرمی جوائن کرنا چاہتا ہوں" "ارمان میں تمہیں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دوں گی کہ تم آرمی جوائن کرو" "لیکن کیوں امی" "کیونکہ میں اپنا سہاگ اجڑتے دیکھ چکی ہوں اب اپنی کوکھ کو اجڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی" "مگر امی ہر ماں ایسا سوچنے لگے تو ہمارے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا امی ہمارا ملک ہے تو ہم ہیں" وہ یہ کہہ کر چلا گیا اور پوری رات نائمہ الجھی رہی لیکن جب صبح ہوئی تو وہ اپنا فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ اپنی کوکھ اجڑنے سے بچانے کے لیے انگنت ماؤں کو یہ!!!! صدمہ نہیں دے سکتی اس نے آدھی زندگی شہید کی بیوہ بن کر گزاری تھی اور آدھی زندگی شہید کی ماں بن کر گزارنے کے لیے تیار تھی۔

ریڈیو اور جدید دور

رانا شعیب عالم

ایک جملہ بہت مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ انساں نے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایجاد اور اختراع کا راستہ اختیار کیا ایجاد کی محرک انساں کی کوئی نہ کوئی ضرورت پورا کرنے کی اس سوچ کی طرف لے جاتی ہے مجھے کچھ نیا کرنا ہے اور میں نے اپنی ضرورت پوری کرنی ہے اس کے نتیجہ میں انسان کوئی نہ کوئی چیز کی تخلیق کر دیتا ہے اسطرح 1895 میں مارکونی نے تار کے بغیر اپنا پیغام فاصلے پر بھیجنے میں کامیاب ہو گیا پھر مارکونی نے ایک کمپنی بنائی جس سے ریڈیو کے ذریعے بحری جہازوں سے ساحل پر رابطہ قائم کرنے میں مدد ملی اس کے بعد اس ایجاد کو کثیر المقاصد استعمال کے لیے اس پر کام تیز ہو گیا پھر 1906ء میں امریکہ ایک ایسا ملک تھا جس میں ریڈیو نے مکمل طور پر ایک صورت اختیار کر لی تھی، پھر 1910ء تک اس کو باقاعدہ ذرائع ابلاغ کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا گیا۔ ایک وقت ایسا ہوتا تھا کہ ہمارے بزرگ مختلف قسم کے ریڈیو اسٹیشنز کے پروگرام کو سننے کے لیے چینل گھماتے اور لطف اندوز ہوتے، مجھے یاد ہے کہ میرے دوست نے ایک واقعہ سنایا تھا۔ گاؤں کے ایک بڑے بزرگ نذیر احمد خان صاحب ریڈیو خرید لے آئے اور لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ بولتا ہے، لوگ کہتے کہ یہ ڈبہ بولتا ہے لوگ روزانہ کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد ڈبے کو سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور جو گاؤں کی عورتیں تھیں دیوار کے پیچھے چھپ کر ریڈیو کی آواز سنتی، اس طرح نذیر خان صاحب پورے گاؤں میں مشہور ہو گیا اور نذیر خان صاحب کے چرچے باقی گاؤں میں بھی سننے لگے کہ ان کے پاس بولنے والا ڈبہ ہے، یہ ہمارے بزرگوں کی سادگی ہے اس وقت میڈیم نور جہاں، عنایت حسین بھٹی، ریشماں، ثریا ملتانیکر کو سنا کرتے تھے اس طرح اور بہت سے اس وقت کے نامی گرامی اداکار، نغمہ نگار، موسیقار وغیرہ اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے تمام ہمارے ہیروز جنہوں نے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہمارے آنے والی نئی نسلوں کو بھی ان کا پتہ ہونا چاہیے، میرے دوست جو میرا کالم پڑھ رہے ہیں ان کے لیے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس وطن و قوم کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں، ہم کو ان کی سادگی پر ہنسنا نہیں چاہیے کیونکہ وہ لوگ بہت نیک اور پرہیزگار تھے، ہم لوگ ان کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں۔ ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے ریڈیو ایک الیکٹرونک میڈیا ہے، اور بہت موثر اور سستا ترین ذریعہ ہے ٹیلی ویژن کی مقبولیت میں اضافے ہونے کے باوجود آج اتنے سال گزر چکے ہیں بلکہ ایک سے ڈیڑھ صدی گزر گئی مگر ریڈیو کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس طرح جنگ آزادی میں ریڈیو کا کردار 1947ء میں پوری دنیا اور ہمارے بزرگوں کے سامنے ہے 1965ء کی جنگ میں ریڈیو کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے۔ لوگ کس طرح اکٹھے ہو جاتے اور ملی نغمے سن کر جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہوتے۔ 1971ء کی جنگ میں جب ریڈیو نے بھرپور کردار ادا کیا مگر ہمارے سیاست دانوں اور باقی اعلیٰ احکام کی وجہ سے اس جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، فوجی قیادت کا کردار بھی کل نظر رہا۔ اس وقت تک ٹیلی ویژن پاکستان میں آ چکا تھا۔ اور ریڈیو کو بھی کافی حد تک ترقی مل چکی تھی۔ برصغیر میں ریڈیو نشریات کا آغاز 23 جولائی 1927 کو ممکن ہوا۔ پھر لاہور میں 1928ء میں ہوا۔ مارکونی کمپنی نے 1935ء میں پشاور ریڈیو اسٹیشن قائم کیا۔ 1937 میں دونوں اسٹیشنز کو آل انڈیا ریڈیو نے اپنی تحویل میں لے لیا، 16 دسمبر 1937ء کو پنجاب کے گورنر ہربرٹ ایمرسن نے لاہور ریڈیو اسٹیشن کا باقاعدہ افتتاح کیا، یہ ریڈیو اسٹیشن 1928ء تک چھوٹا سا نجی ریڈیو اسٹیشن تھا۔ 1948ء میں کراچی میں ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا۔ 1950ء میں راولپنڈی میں 1955ء میں حیدر آباد میں، 1956ء میں کوئٹہ کے اندر ریڈیو اسٹیشن اور ملتان میں ریڈیو اسٹیشنز قائم کیے گئے، 1970ء تک ریڈیو اسٹیشنز کی تعداد پاکستان میں 25 ہو گئی اور قیام پاکستان کا اعلان بھی 13 اگست 1947ء کی رات 12 بجے 14 اگست کے ابتدائی لمحات میں ہوا اس وقت جو الفاظ بولے گئے یہ پاکستان براڈ کاسٹ سروس ہے اس کے بعد قیام پاکستان کی مبارک باد کا اعلان کیا گیا۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو نے ہمارے ماضی میں کیا کردار ادا کیا۔ موجودہ دور میں پڑھائی کرنا پاکستان جیسے ملک میں جہاں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے طالب کی پڑھائی متاثر ہوتی ہے وہاں ریڈیو نے اس عمل کا حل نکال دیا وہ کہ یونیورسٹی اپنے پروفیسروں کے لیکچرز ریڈیو پر دیتے ہیں اور یہ عمل کئی گھنٹوں تک جاری رہتا ہے۔ جس سے ہزاروں طالب علم تعلیمی میدان میں پیچھے نہیں رہتے، موجودہ دور میں ریڈیو نے اپنی اہمیت ایسی بنائی جس کی مثال نہیں ملتی لوگوں میں شعور اجاگر کرنا ریڈیو کا اہم کردار رہا ہے۔ ریڈیو سے زراعت کے شعبہ میں بہت ترقی ہوئی، کیونکہ ریڈیو میں جو زبان استعمال کی گئی بہت آسان اور جلد سمجھ آ جانے والی ہوتی ہے۔ تاکہ ہر قسم کے انسان کے ذہن میں بات ڈالی جا سکے۔ ان تمام شعبہ جات کو دیکھتے ہوئے ریڈیو نے موجودہ دور میں کافی پذیرائی حاصل کی۔ دور جدید کے مطابق ریڈیو نے ہر انسان کے دلوں کو جیت لیا ہے کیونکہ یہ بہت آسان اور سستا ترین ذریعہ ہے اور یہ ہر ایک انسان کی پہنچ میں ہے۔ اب تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ریڈیو ایک عام سننے والے شخص کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ جہاں ہر ایجاد نے ترقی کی ہے وہاں ریڈیو نے بھی اپنے شعبہ میں ترقی کی ہے۔ لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے سامعین کا دل جیتنے کے لیے ریڈیو نے مزید جدت اختیار کی اور آج FM کی صورت میں ہمارے ہر ضلع، ہر تحصیل اور ہر گاؤں تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ جس میں سامعین کو لطف اندوز کرنے کے لیے تفریح کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ ریڈیو نے جدید دور میں بھی اپنی پہچان بنائی ہوئی ہے۔ اللہ پاک اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو عزت دے جو اس کے لیے دن و رات محنت کر رہے ہیں اور میری دعا ہے کہ اس شعبہ کو ہمیشہ ترقی ملے۔

ماہنامہ داستان دل ساہیوال

چیف ایڈیٹر نزہت جبیں ضیاء

ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو 03481648941

فیس بک انچارج؛ سمیہ عبید، اَنا زئی، فاطمہ حسینی

مجلس ادارت:

آصف جاوید زاہد 03046552827

رانا شعیب عالم 0336-7685168

رمضان تبسم پریمی 03089045689

اپنی تحریریں اس پتہ پر ارسال کریں۔ ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 79/5.L ڈاکخانہ 78/5.L ساہیوال

رہے حرف دعا زباں پر

تحریر: نبیلہ نازش راؤ اوکاڑہ

بڑے ہی غلط وقت پر اعتزاز حسن کا انتقال ہو گیا تھا۔ سر پر ایک نہ دو پوری پانچ جوان جہان بیٹیوں کا بوجھ۔ کسی ایک سے بھی تو فراغت نہ ہوئی تھی۔ اندرونی کمرے سے باہر گلی تک لوگوں کا ہجوم تھا۔ چیخیں، آہیں، درد میں ڈوبی کراہیں جو سنتا تھا دوڑا چلا آتا تھا "پانچوں بچیوں کا باپ مر گیا۔" "ہائے ہائے کوئی بیٹا بھی تو نہ تھا۔" "جوان بیوہ رہ گئی۔" "ارے بیوی تو اتنی جوان اور خوبصورت ہے کہ لڑکیوں کی۔ بڑی بہن لگتی ہے۔" "کون بیٹھتا ہے جس اپنی جوانی کو یوں کوئی گھن لگائے۔ دو بول پڑھوا لے گی جوان جہان عورت ہے۔" "افسوس کرنے والی خواتین کمر بستہ تھیں۔ "ارے بیٹھنے والیاں تو پیدا ہونے والی روح کے سہارے عمریں گزار دیتی ہیں۔ اس کے آگے تو پانچ بیٹیاں ہیں۔" مگر ان باتوں کو کون دیکھتا ہے زمانہ بڑا خراب ہے۔" "توبہ۔ توبہ پہاڑ سی زندگی اور جوان عورت۔" "باتوں کا بے مقصد سلسلہ جاری تھا مگر کون جانتا تھا کہ مرنے والا تو ایک راہ ہو گیا۔ مگر وہ عورت جو اس کے نام سے وابستہ تھی۔ جو اس کی پانچ امانتوں کی امین تھی۔ جس نے زندگی کے خوبصورت دس برس سنگت میں گزارے تھے۔ اور لوگوں کی کھیتی کی طرح چلتی زبانوں کی زد میں تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ لوہے کی جالی بنوا کر لوگوں کے منہ بند کر دے۔ مگر کھلی آنکھوں اور سنتے کانوں نے اتنا کچھ سمجھا دیا کہ اس نے شوہر کی زندگی میں نہ دیکھا نہ سنا تھا۔ وہ تو سدا سہاگن اپنے چھوٹے سے گھر میں محبتوں کی پھوار میں بھیگتی اپنی ننھی منی کانچ جیسی نازک گڑیا پانچ بچیوں میں گم تھی کہ قدرت نے وقت کی طنابیں کھینچ لیں۔ اور وقت پہاڑ بن کر اس کے سر پر ٹھہرا اور نہ گزرنے کا نام لیتا تھا اور نہ کٹتا تھا۔ ایک تو پانچ بیٹیاں تھیں۔ وہ بھی ڈیڑھ دو سال کے وقفے سے صرف خیفا چھوٹی تھی۔ دوسرے خوبصورت اتنی کہ نظر بھر کر دیکھنے سے نظر لگ جانے کا گمان ہوتا تھا۔ اور لوگوں کی نظریں، سو وہ بھی ہوس بھری۔ اب رہنا تو اسی دنیا میں تھا۔ لڑکیوں نے پڑھنا لکھنا بھی تھا۔ اور لوگوں کا ساتھ بھی دینا تھا۔ قدم سے قدم ملا کر چلنا بھی تھا۔ مگر کرتیں تو کیا کرتیں حفصہ بیگم سولی پر لٹک چکی تھیں۔ عدت کے دن گزرے تو جیسے شکر کلمہ ادا ہوا۔ اب کم از کم رما کو سکول تو چھوڑنے جا سکتی تھیں۔ کائنات نے پورے تین ماہ بعد کالج دوبارہ جانا شروع کیا تھا۔ کم از کم اس کو لکھی لکھار اسٹاپ تک چھوڑ سکتی تھیں۔ بس اسٹاپ پر تو طالب علم کم اور طالب عشق زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور کائنات کی عمر ابھی عشق کے بکھیڑوں اور فلسفوں میں الجھنے کی ہرگز نہ تھی۔ اور حفصہ بیگم تو بہر حال اپنی پانچوں بچیوں کو اس وبائی مرض سے بچانے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ خود ان کی زندگی بہت سادگی میں گزری تھی۔ سندرا ابھی میٹرک میں تھی اور خیفا فورتھ میں۔ خیفا آخری اولاد تھی۔ دراصل اوپر تلے بیٹیاں آ گئیں تو حفصہ بیگم نے سوچا بیٹے کے لالچ بیٹیوں کی لائن بناتی جا رہی ہیں۔ اس لائن کو اب توڑنا چاہیے۔ وقفہ کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تو ایک دم انہیں بیٹے کی دبی دبی خواہش نے پریشان کر دیا۔ ادھر فضل صاحب کے دل میں اولاد نرینہ کی خواہش کو ہمیشہ کے لیے تھپکیاں دے کر سلانا پڑا۔ شوہر کے مرتے ہی حفصہ بیگم کے گھر رشتوں کی بھرمار ہو گئی۔ لیکن حد تو یہ تھی کہ ان میں ایک آدھ رشتہ رما، کائنات کا ہوتا۔ باقی سب کے سب خود حفصہ بیگم کے آتے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ آنے والوں کو تو بڑی رکھائی، خوبصورتی، الحاظ بد لحاظی اور صفائی سے منع کرتیں، انکار کر دیتیں۔ مگر اپنی تیس سالہ پکا جوبن جوانی اور خوبصورتی کو کون سے تہہ خانے میں چھپا کر آتیں کہ جوہری کی نظر شناس آنکھیں آبدار ہیرے پہ نہ ٹکتیں۔ کبھی کبھی حفصہ بیگم جی بھر کر روتیں۔ ایسی دلدوز آہیں بھرتیں کہ پانچوں بیٹیاں ان سے لپٹ جاتیں رما کہتی۔ "ممی جی! روئیں نا۔ بابا جی نہ رہے۔ ہمیں اب آپ کا سہارا چاہیے۔ آپ بھی یوں دل چھوٹا کریں گی تو ہمارا کون ہے۔" کائنات گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔ "ممی جی! آپ اس وجہ سے روتی ہیں نا کہ ہم بیٹیاں ہیں۔" "تو آپ یہ مت سوچیں۔ ہم آپ کے بیٹے ہیں ممی جی! پانچ بیٹے۔ ہمیں کسی قابل ہونے تو دیں۔" مگر وہ بیٹے نہ تھے۔ وہ بیٹیاں تھیں۔ حقیقت میں بیٹیاں۔ شیشے کی طرح نازک، ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جانے والے کچی مٹی کے برتن ہلکی سی ٹھوکر سے کرچی کرچی ہونے والے نازک برتن۔ ان کچے برتنوں کی حفاظت بڑی مشکل تھی اور لوگوں کو علم ہو چکا تھا کہ اس چار دیواری کے اندر پانچ ہیں چھ حُسن کے پیکر ہیں۔ مگر ان ساری باتوں پر حفصہ بیگم کی نظریں لگی ہوئی تھیں انہوں نے شوہر کے مرنے کے بعد زیادہ دیر انتظار نہیں کیا۔ اور رما اور کائنات کو ان کے گھر بار کر دیا۔ سندر کو ہوسٹل میں ایڈمیشن کروا دیا۔ اور گوجرہ سے اپنے چھوٹے بھائی کو جو ذرا کم عقل و شعور کے مالک تھے۔ مستقل اپنے پاس رکھ لیا کچھ نہ ہونے سے تو بہتر تھا کہ مرد کی ذات گھر میں نظر آتی تھی۔ ساجد بھیا سودا سلف بھی لا دیتے تھے اور خیفا کو سکول بھی چھوڑ آتے تھے۔ واپسی کے لیے بھی بس اسٹاپ پر موجود ہوتے پیسے بینک میں رکھنا اور نکالنا۔ ضرورت کے تحت حفصہ بیگم کو رکشہ لا کر دینا اور ان کے پیچھے گھر کی نگرانی کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے ان کے پیٹ میں بھوک کی آگ بھڑکتی۔ ساری باسی روٹیاں رات کے بچے ہوئے سالن پر لگا کر ہڑپ کر جاتے۔ پانچوں وقت کی نمازیں با جماعت ادا کرتے اور حفصہ بیگم کو گھر کے اندر باہر کی فکروں سے چھٹکارا دلائے بڑبڑاتے رہتے۔ وہ بھی خدا کا شکر ادا کرتیں کہ آخر کو بھائی نے ساتھ دیا۔ کم عقل تھے کہ بہن کی بھلائی اور مدد کو دوڑے چلے آئے۔ ورنہ اور کون تھا۔ دوسرے سگے بھائی نہ ہونے کے برابر تھے کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھا نہ پوچھا تھا کہ بیوہ بہن کس حال میں ہے۔ اس کی بچیاں جوان ہیں۔ ان کو مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ حفصہ نے بھی ایسی چپ سادھ لی جیسے شوہر کے ساتھ وہ بھی مر چکی ہوں۔ بس گھر کے اندر اپنا برا بھلا وقت کاٹتی رہیں۔ مگر موقع محل دیکھ کر عزیز رشتہ دار اپنا وار خالی نہ جانے دیتے۔ وقت بھی کسی کی خاطر نہیں رکتا۔ اور نہ اس نے کبھی کسی کی مجبوریاں دیکھی ہوتی ہیں مشکل اور نہ آسانیاں۔ وہ بہتے پانی کی طرح بہاؤ کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ حفصہ بیگم نے پہاڑ سی جوانی کاٹ لی ایک بیوہ اور یتیم کے حصے جو نارسائیاں آتی ہیں۔ ان کو کچھ وہی جان پاتے ہیں جن پر بیت چکی ہو ان کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ مکان کے کرایے سے دال روٹی بمشکل چلتی تھی۔ بینک میں جو کچھ تھا۔ وہ بیٹیوں کے مستقبل اور تعلیم کے نام پر کام آتا رہا۔ سندر نے بی اے کر لیا تو رما نے اپنے دیور سے اس کا رشتہ طے کروا دیا۔ مگر سب سے بڑی مصیبت تو اب فیفا تھی۔ بے حد نٹ کھٹ، فتنہ، منہ پھٹ اور صاف گو۔ ایسا چن چن کر لفظوں کا استعمال کرتی کہ حفصہ بیگم دنگ رہ جاتیں۔ ان سے جواب نہ بن پڑتا۔ ساجد ماموں کو اس نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔ وہ کہتی رات ہے تو وہ عقل کے پیدل رات مان لیتے۔ وہ دن کہتی تو ساجد ماموں ہوش و خرد سے بیگانہ دن مانتے۔ اور یہ صورت حال بڑی نازک تھی۔ حفصہ بیگم کو سخت فکر ستانے لگی۔ ادھر کچھ دنوں سے فیفا بیگم وقت بے وقت ماموں کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھماتی نظر آتی تھیں۔ چائے تو ان کی کمزوری ٹھہری۔ بطور رشوت ایک کپ چائے سے آپ کوئی بھی کام لے سکتے ہیں۔ وہ عزیز رشتہ دار جو عرصہ دراز سے بھولی بسری یادیں بن چکے تھے۔ آہستہ آہستہ خیفا کی جوانی کے ساتھ واپس آنے لگے نئی جنریشن تو سارے کیے گئے ستم اور گلے شکوے بھلانے پہ آمادہ تھی۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اب حفصہ بیگم کے کان کچھ اونچا سننے لگے تھے۔ بیوگی کے دن رات قیامت بن کے گزرے تھے۔ ایسی ایسی ساعتیں آئیں اور گئیں کہ روتے روتے نظروں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ حواس بھی بجا نہ رہے مگر ہمت جوان تھی اور خیفا کے لیے فکریں تر و تازہ دم سادھنے کے بجائے وہ نارسائیوں کے سامنے مقابلے پہ آمادہ ہو چکی تھی۔ بارش تھم چکی تھی۔ سورج لب دم تھا۔ سائے بڑھنے لگے اور برف سے ڈھکی آخری جاتی دھوپ سے چمکتی سنہری چوٹیاں سونے کی مانند دمکنے لگیں۔ ایک خوشگوار سا احساس جیسے ان سے برآمدوں تک ٹھہر سا گیا تھا۔ فیفا کسی فنکشن کے لیے جلدی جلدی قمیض میں زپ لگا رہی تھی۔ اس کے گلابی گلابی پیر سنگر مشین کے کالے پیڈل پر ٹکے ہوئے تھے۔ اور گردش ایام کے تحت اس موسم کا لطف دھڑکنوں میں چھپائے شاہد مشین کی سطح پہ ہاتھ جمائے فیفا کو دیکھ رہا تھا۔ آج کل شاہد کا ان کے گھر آنا جانا کچھ زیادہ ہی ہو چلا تھا۔ کبھی چچی جان کی خیریت دریافت کرنے آ جاتا کبھی ساجد ماموں کے ہمراہ چلتا چلتا ادھر نکل آتا اور کبھی عظمت کا پیغام فیفا کے نام لیے چلا آتا۔ عظمت کا بہانہ تو بہت مضبوط تھا۔ فیفا کی کلاس فیلو اور شاہد کی بہن جو ٹھہری۔ حفصہ بیگم شاہد کی آمد کے ساتھ جلے پیر کی بلی بن جاتیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات ہرگز نہ آتی کہ رشتہ داروں کی بد سلوکی کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے والی فیفا ان کے لڑکوں میں اتنی دلچسپی کیوں لیتی ہے۔ کیوں سب لڑکے آتے ہیں۔ پہروں فیفا سے باتیں کرتے ہیں۔ دبی دبی سرگوشیاں، چھپے چھپے جملے واضح اشارے نظر کم ہی مگر اتنا بھی نہ تھا کہ حفصہ بیگم کو اندھا جان لیا جائے۔ اونچا ضرور سنتی تھیں مگر چھٹی حس جاگ جاتی اور خطرے کا الارم بجا دیتی تھی۔ اب بھی وہ جان چکی تھیں کہ شاہد فیفا سے کیا کہہ رہا ہے۔ "فیفا! تیرے پیر کتنے خوبصورت ہیں" شاہد کی نظر چکنے اور گورے پیروں پر تھی۔ وہ مسکراتی۔ "اب ایسے خوبصورت بھی نہیں شاہد بھائی ویسے اللہ کی دین پہ بہت نازاں ہوں کہ جوتی بغیر گزارہ ہو سکتا ہے پیروں بغیر نہیں۔" "فیفا! وہ کچھ کہتے کہتے رک سا گیا۔ فیفا نے درانہ پلکیں اٹھائیں اور شاہد کی آنکھوں میں چھپے سپنے یکدم رنگین ہو گئے۔ "رک کیوں گئے شاہد بھائی؟ قدرت کی کاریگری کی تعریف نہ کرنا اس کی توہین ہی تو ہے۔" "چچی جان۔ وہ مجبور سا نظر کر رہا تھا۔ "چچی جان سن لیں گی تو برا مان جائیں گی۔" "کیسے نا شاہد بھائی! ممی تو بہت اونچا سنتی ہیں اور پھر میں بھی شور تو نہیں مچاؤں گی۔" شاہد تذبذب کا شکار تھا۔ "تم میرے ساتھ کہیں گھومنے چلو۔ وہیں بتاؤں گا" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ "نہیں شاہد بھائی!" وہ قمیض چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ اقرار محبت، یہ وعدے، یہ الٹی سیدھی باتیں مجھے نہیں راس آتیں پتا ہے آپ کو علیم ماموں کا بیٹا بھی کچھ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے اور گلزار ماموں کا فراز بھی پھر آج کل معین صاحب جو خیر سے اب کوالیفائیڈ ہو چکے ہیں ممی کے آگے پیچھے بہت پھرنے لگے ہیں۔ آپ بھی اپنی درخواست سمیت ممی جی سے رابطہ قائم کریں۔ وہ درمیانے کمرے میں گھس گئی اور حفصہ بیگم نے شاہد کو اپنے پاس بیڈ پہ بیٹھا لیا اور باتیں کرنے لگیں لیکن احساس توہین سے اس کا سلگتا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا اور حفصہ بیگم کچھ سوچتی ہوئی، کچن میں آ گئیں اور اپریل کی بے حد کڑی سی روشن صبح میں حفصہ بیگم کی چار پائی فیفا نے لان کے آخری کونے میں بچھا دی جہاں دھوپ کی تمازت سے فرصت کا احساس طبیعت میں سرشاری پھیلا رہا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے حفصہ بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ آج کل کائنات ترکی، رما کینیڈا اور شعاع آسٹریلیا میں تھیں۔ سندر گوجرہ زمینوں پر میاں کے ہمراہ گئی ہوئی تھی فیفا بے حد فکر مند تھی۔ اس وقت بھی وہ آہستہ آہستہ حفصہ بیگم کو جوس پلا رہی تھی نیلے سوٹ میں وجیہہ سرخ سفید آتف بھائی کو دیکھ کر اسے بے اندازہ خوشی ہوئی۔ اس نے حفصہ بیگم کی بیماری پر بے حد افسوس کا اظہار کیا اور سخت ناراض ہوا کہ اپنوں کی موجودگی میں اکیلی فیفا پریشان ہوتی رہی اور اس نے ان لوگوں کو اہمیت نہیں دی۔ آخر ساری زندگی تو ناراضگیاں نہیں رہنی چاہئیں۔ ہمارا بھی کوئی حق بنتا ہے گلے شکوے ہوتے رہے۔ حفصہ بیگم نے نقاہت بھری آواز میں سب کی خیریت پوچھی اور آنکھیں موند لیں۔ فیضا وہیں کرسی پر بیٹھی میگزین پڑھنے لگی۔ "فیفا!" سرگوشی ابھری۔ "شش۔۔۔ ممی سو رہی ہیں شاید۔" وہ ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر بولی۔ "فیفا! ناراض ہو کیا؟" آتف کی آواز دوبارہ آئی مگر وہ چپ رہی۔ "فیضا! ادھر دیکھو۔ ایمان سے کس کافر کو چین تھا مگر ناراض تو مجھے ہونا چاہیے۔ تم تو یوں بیگانوں جیسا سلوک کرتی ہو جیسے ہم تو کوئی ہیں ہی نہیں۔" "کیوں؟" فیضا جھکا سر اٹھایا۔ "کس بات پہ ناراض ہیں اس خطاوار کو خطا تو بتا دیں۔ ایسی بھی کیا غلطی سرزد ہو گئی جس کے بارے میں خود ہم لاعلم ہیں۔" "بتا دوں؟" وہ شوخ شوخ نظریں اس پر جمائے ہوئے بولا۔ "سنا نہیں اپنے بارے میں وہ فیصلہ جو چپکے چپکے طے پا گیا ہے۔" "کون سا فیصلہ؟" وہ بے حد حسرت زدہ تھی۔ "مجھے تو قطعی علم نہیں کسی فیصلے کے بارے میں۔" "واقعی تمہیں پتا نہیں۔" "اللہ مت ستائیں نا آتف بھائی! بتائیں نا۔ آپ کے سر کی قسم جو پتا ہو۔" "تائی اماں اپنے ہونہار بیٹے کے لیے تمہارا رشتہ لا رہی ہیں جو تمہیں بے حد پسند کرتا ہے۔" "کس کے لیے؟" "شاہد بھائی کے لیے؟" فیضا نے آرام سے کہا۔ "یہ تو مجھے پتا تھا ایسا ضرور ہو گا۔" "اچھا! تو تمہیں پتا تھا۔ پھر بھی معترض ہیں کہ مجھے علم نہیں۔" بھرپور شکوہ کیا گیا۔ "ہاں اور کیا جذبے کبھی چھپتے نہیں لاکھ چھپائیں عیاں ہو جاتے ہیں۔" وہ زور سے ہنس دی۔ سارا خون گالوں پہ چھلک آیا تھا۔ "بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے شاہد بھائی میرے حسن کی۔" "میرے جذبوں سے بھی آشنا ہو یا ان میں اتنی شدت ہی نہیں کہ تمہیں نظر آئیں۔" آتف واقعی ہی برا مان گئے تھے۔ جل بھن رہے تھے۔ اگرچہ اسے خوشی ہو رہی تھی مگر وہ خاموش رہی۔ "بولو نا۔" آتف نے گلاب کے پودے سے کلی توڑی اور نشانہ تاک کر فیضا کے جھکے سر پہ ماری کلی سیدھی اس کے گال کو چھو کر حفصہ بیگم کے منہ پر گری۔ انہوں نے ہڑبڑا کر کلی اٹھائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ فیضا شرم سے سرخ ہو گئی۔ آتف کلیاں توڑ توڑ کر اس کی جانب پھینکتا رہا۔ وہ اٹھا اٹھا کر تکیے تلے جمع کرتی رہی۔ پھر ساری کلیاں اکٹھی کر کے رکھ دیں۔ "ان کا کیا کرو گی؟" بالآخر صبر نہ ہو سکا تو آتف نے پوچھ ہی لیا۔ "ان کو تائی جی کو پیش کروں گی تا کہ آپ کی والہانہ چاہتوں کو ثبوت بنا کر پیش کر سکوں میں جانتی ہوں کہ آپ اپنی ممی کے سامنے کبھی لب کشائی نہیں کر سکتے۔" وہ زور سے ہنس دی۔ "ایسا کبھی بھی نہ کرنا فیضا! ورنہ قیامت منٹوں میں آ جائے گی۔ میری ممی یہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ اس طرح۔" "اچھا تو پھر آپ کو اس ہونہار سپوت کی اور پر اعتراض تو نہ ہو گا۔ تا بعد میں ہرگز کچھ نہ کہیے گا۔" "اعتراض کیا کہہ رہی ہو فیضا؟ میرے جذبات تم سے پوشیدہ تو نہیں۔ پھر بھی۔" وہ پھر اپنے جذبوں سے خود ہی کھیلتے رہیں۔ "لیجیے میں" یکا یک کارس گھول کر فیضا ہنس سوچتا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ یہ تو روز کا معمول تھا۔ وہ کب سے اس طبقے کو نظر انداز کر رہی تھی۔ گزرے لمحے فیضا پر نئی صداقتوں کے در کھولتے گئے۔ وہ وقت جب اس کی ممی پہ بہت کڑا وقت آ کر چھا گیا تھا۔ خاندان بھر نے جن جن طریقوں سے انہیں اذیت سے دو چار کیا تھا۔ دباؤ ڈالا تھا کہ بچیوں کو پڑھائی سے اٹھا لو۔ ان کو حوصلہ دینے کے بجائے ان کے حوصلے پست کرنے کے لیے کمر بستہ رہے تھے۔ اس کی ممی کی خوبصورتی پر کیچڑ اچھالی تھی آج وہی خاندان والے ان کو اپنے عزیز کہتے ہوئے مسرت محسوس کرتے تھے۔ چاہتی تو فیضا یہ کہ بھرپور تھپکیک کا انتہائی بھرپور جواب ہے۔ مگر کیچڑ میں پتھر مارنے سے اپنے دامن کی آلودگی کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس روز موسم کی شاید آخری بارش ہوئی تھی خنک خنک سی سہ پہر کو اسے وہ سبز پیکٹ جو ظفر نے رسالپور سے خوشبوؤں میں بسا کر پوسٹ کیا تھا۔ بچھو کے ڈنک جیسے زہر لیے لفظوں نے اسے بڑے حوصلے اور صبر سے لوٹ لیا تھا۔ [illegible] ظفر کو اپنی فیملی کی نا انصافیوں کا دکھ تھا۔ اس کے نزدیک گزری باتیں قسمت کا لکھا تھا جو پورا ہو گیا تھا۔ اب اس نے معافی مانگی تھی۔ اور اس سے محبت کی بھیک مانگی تھی۔ اس نے لکھا تھا "محبت ہوا کا نازک جھونکا ہے۔ [illegible] لہٰذا بہت سوچ سمجھ کر اپنے طلب گار کے کشکول میں محبت کا امرت ڈال دے۔ ورنہ وہ بے موت مر جائے گا۔ اس کی ایک ہاں ظفر کی اندھیری زندگی میں رنگ و نور ابھر دے گی۔" [illegible]

گھونسہ سا پڑا۔ "تم زندگی کے کسی حلقے میں سیر لیس ہو کے تو دیکھو فیضا! میں پوری بیری اکھاڑ کر اپنے آنگن میں سجا لوں گا۔" "بات یہ ہے اشفاق جی! کہ ممی تنہا رہ گئی ہیں اور ماموں نہ ہونے کے برابر میں ممی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ماں ہے تو جہاں ہے۔ ماں کے بغیر میں تنہا رہ جاؤں گی۔ میں ایک صاف گو اور حقیقت پسند لڑکی ہوں۔ اگر آج فیصلہ نہ کیا تو آئندہ اپنی تنہائی، بے بسی اور بیکراں اداسیوں میں ڈوب جاؤں گی۔ بعد کے پچھتاووں کے دکھ بہت جان لیوا ہوتے ہیں۔ میں گزرے وقت وہ دہرانا نہیں چاہتی مگر اپنے ارد گرد کھڑے لوگوں کو ان کے اصل روپ میں دیکھ چکی ہوں۔ تم سے فقط اتنا کہوں گی کہ جس طرح میں گزرے وقت کو دہرانا نہیں چاہتی اسی طرح گزرتے وقت کو آواز دینے کی قائل نہیں۔ تمہارے جذبوں سے میں واقف ہوں۔ یہ جو سب کچھ میں نے کیا شاید ایک لڑکی کے لیے بہت مشکل ہو۔ تم بخوبی اندازہ کر سکتے ہو کہ بعد پورا اعتماد نے مجھے یہ سب کہنے پر آمادہ کر لیا ہے اور اس سے زیادہ وضاحت اور صاف گوئی میرے لیے ممکن نہیں۔ اگر تم کوئی فیصلہ کر لو تو اتوار کی شام کا کھانا ہمارے ہاں کھانا میں کچھ لوگوں کو انوائیٹ کر رہی ہوں۔ ہاں آپا کی سفارش نہ چلے گی جو کرو خود کرو۔" "بہتر جناب!" اشفاق نے خوش دلی سے کہا اور گاڑی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی اسے گھر پہنچا گئی۔ اس کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اتوار کا وہ پورا دن مصروفیت میں گزار کر جو شام فیضا کے آنگن میں اتری تو کسی انجانے احساس نے اسے بار بار مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ہاں اب تامل کس بات کا؟ کچھ تو فیصلہ ہونا ہی چاہیے۔ وہ گنگناتے ہوئے ٹیبل لگانے لگی۔ نہا دھو کر اس نے سادہ سا سوٹ پہنا۔ کان کے پاس ایک ادھ کھلی کلی لگا کر وہ لان میں نکل آئی۔ نہ معلوم کیوں وہ بے قراری تھی۔ خواہ مخواہ بار بار گیٹ کی طرف دیکھنے لگتی۔ کہیں اندھا اعتماد اسے ڈس تو نہ لے گا۔ پھر وہ طوطے کے پنجرے کی جانب بڑھی۔ اس کو بلا جلد کر بولی۔ "چوری کھاؤ گے مٹھو میاں۔" مگر مٹھو میاں موٹی سی زبان نکال کر چوری کے بجائے اس کی انگلی کھانے کو لپکا۔ تو وہ لان میں ٹہلتے منی کی جانب بڑھ گئی جو اپنی پتنگ کے ساتھ ڈور باندھنے میں مصروف تھا۔ "کیا کر رہے ہو منی؟" منی نے اسے حسرت سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ "واہ خالہ! اتنی بڑی ہو گئیں اور پتا نہیں چلا کہ پتنگ کے ساتھ ڈور باندھ رہا ہوں۔" وہ شرمندہ ہو گئی منتظر شام رات میں ڈھلنے لگی اسے خوف آ رہا تھا۔ آنے والوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ ہاں کائنات آپا اس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ تیز تیز بولتی ہوئی۔ "کہاں ہیں تیرے مہمان؟ ممی ناراض ہو رہی ہیں۔ تم سدا کی لاپرواہ اور نکمی ہو ڈھیروں ڈھیر کھانا پکوا لیا ہے۔ کوئی نہ آیا تو کھانا اکیلے بیٹھ کر۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔ "آ جائیں گے آپا؟ آ جائیں گے۔" [illegible]

فیس بک انچارج سیدہ حجاب فاطمہ
عمران رضا بٹ، فاطمہ خاں

گلدستہ

امتیاز عاصم 0302-7898699
وسیم طاہر ڈھکو 0345-7462919

دل بڑی مشکل سے ہارا ہے

نزہت جبیں ضیاء

قسط نمبر 1

(بشکریہ آنچل ڈائجسٹ) بیس سال کے طویل عرصے بعد وصی چاچو کی واپسی کی خبر نے سارے گھر میں ہلچل مچا دی تھی، اس وقت بھی نوجوان پارٹی ڈرائنگ روم میں جمع تھی اور موضوع وہی "وصی چاچو اور ان کی بیٹی" تھا۔ راعیہ کے بارے میں سب کی قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔ "اللہ کا شکر ہے کہ دادو نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وصی چاچو کو واپس بلوا لیا جائے۔" ربیعہ نے کہا۔ "ہاں واقعی کتنی خواہش تھی وصی چاچو سے ملنے کی۔" حریمہ نے بھی کہا۔ "ہاں یار! مگر یہ خواہش تمہاری ہوگی ہماری تو خواہش تھی کہ ان کی اکلوتی حسین وجمیل نیلی آنکھوں اور بھورے بالوں والی بیٹی راعیہ سے ملنے کی تھی۔ یقین کرو کئی بار راتوں کو اسے خواب میں بھی دیکھا....." طلال نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سرد آہ بھر کر ابھی اپنا جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ حریمہ کا ایک زبردست دھموکا اس کی پیٹھ پر پڑا۔ "کچھ شرم کرو تم۔" حریمہ نے غصے سے کہا۔ "ارے یار! یہ شرم ہی تو مروا دیتی ہے ہر جگہ۔" طلال نے پیٹھ سہلاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔ "سنا ہے وصی چاچو بہت خوب صورت اور ہینڈسم ہیں۔" ربیعہ نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ "ہاں بھئی ظاہر ہے آپی جب پاپا اور ذکی تاؤ جی ابھی تک اتنے ہینڈسم ہیں، تو وہ تو ہوں گے نا۔" حریمہ نے بھی آنکھیں چڑھا کر ہاں میں ہاں ملائی۔ "جی نہیں ایسا ضروری تو نہیں ہے اب دیکھو ربیعہ بھابی کتنی پیاری ہیں اور تم معمولی شکل وصورت کی سانولی سی شکل والی عام سی لڑکی ہو۔" طلال جو ابھی تک پیٹھ پر پڑنے والے دھموکے کے درد کو محسوس کر رہا تھا اس نے حریمہ کی سانولی رنگت پر چوٹ کر کے گویا اپنے درد کا بدلہ لیا تھا۔ "بکواس بند کرو اپنی۔" حریمہ کو ذرا بھی برداشت نہ ہوا تھا۔ "اُفوہ بھئی! چپ کرو تم دونوں ہر وقت بک بک کرتے رہتے ہو، سمجھ نہیں آتا کہ ساری زندگی تم لوگ کس طرح ایک دوسرے کو [illegible]

تھیں۔ ذکی شاہ اور تقی شاہ کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا مگر وصی شاہ ان دونوں سے کافی چھوٹے تھے۔ اللہ نے انہیں کوئی بیٹی نہ دی تھی ذکی شاہ کی شادی واجدہ بیگم نے اپنی بھانجی عرفانہ خاتون سے کردی تھی جبکہ تقی کی شادی انعام شاہ کی بھتیجی تسکین سے ہوئی تھی جبکہ وصی شاہ کے لیے انہوں نے عرفانہ خاتون کی چھوٹی بہن تابندہ کو پسند کر رکھا تھا اور بات تقریباً طے ہوچکی تھی۔ انعام شاہ نے یہ بڑا سا حویلی نما مکان بنایا تھا جہاں سب مل کر بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ باپ دادا کی زمینیں اور جائیداد تھی جسے فروخت کر کے بزنس کر لیا تھا۔ بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اس بزنس مزید اچھا کر لیا تھا۔ عرفانہ خاتون اور تسکین معمولی پڑھی لکھی لیکن نہایت سلجھی ہوئی خدمت گزار اور نیک طبیعت خواتین تھیں اور واجدہ بیگم جن کو ساری زندگی بیٹی نہ ہونے کا ملال ہوتا رہا، بہوؤں کے آجانے پر وہ ملال یکلخت ختم ہوگیا۔ دونوں بہنوں نے اتنی اطاعت گزاری اور خدمت کی کہ وہ بیٹی نہ ہونے کا دکھ بھول گئیں، واجدہ بیگم دونوں کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ تابندہ گاؤں کے ماحول میں پلی بڑھی کم تعلیم یافتہ مگر بے حد خوب صورت اور سگھڑ تھی۔ ذکی شاہ کے تین بیٹے باسل، ذہاد اور طلال تھے جبکہ تقی صاحب کی دو بیٹیاں ربیعہ اور تحریمہ سب اپنی اپنی مرضی سے پڑھ رہے تھے۔ باسل، ذہاد اور طلال نے تعلیم مکمل کر کے گھر کا بزنس بھی سنبھال لیا تھا، رشتے بھی آپس میں طے ہو گئے تھے۔ باسل اور ربیعہ کی شادی ہو چکی تھی جبکہ طلال اور تحریمہ کی منگنی ہوچکی تھی درمیان میں ذہاد تھا دونوں بھائیوں میں قطعاً مختلف طبیعت تھی اس کی کم گو خاموش طبع اور اپنے کام سے کام رکھنے والا حد درجہ سنجیدہ۔ وصی شاہ جب گھر سے گئے تھے اس وقت باسل آٹھ سال کا تھا، ذہاد پانچ سال کا، ربیعہ چار سال کی اور طلال بھی چار سال کا ہی تھا جبکہ تحریمہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ باسل اور ذہاد کے ذہن میں وصی چاچو کا نقشہ اچھی طرح سے تھا، باسل تو اکثر یاد بھی کرتا تھا مگر ذہاد کے دل و دماغ میں وصی کو لے کر تلخ یادیں تھیں۔ ایک نفرت، ایک خلیج جو بچپن سے [illegible]

شاید...... کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں جی آپ؟" عرفانہ خاتون نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام کر ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "میں جانتی ہوں ماں جی کہ آپ ماں ہیں اور آپ نے اتنے سال کس اذیت میں گزارے ہوں گے اور پھر جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں، ہم بھلا کون ہوتے ہیں، خدا کے معاملات میں دخل دینے والے، دیکھیں تابندہ بھی تو خوش ہے ناں اپنے گھر میں اور پھر سچ پوچھیں تو ماں جی میں بھی بہت تڑپتی ہوں وصی کے لیے..... آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں نے وصی کو ہمیشہ اپنا چھوٹا بھائی بلکہ بیٹے کی طرح سمجھا ہے اور میں نے تو اسے اسی وقت معاف بھی کردیا تھا اور دیکھیں ناں ماں جی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی کیسا کیا ہے ناں..... سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہونے کے بعد بھی میں نے کبھی بھی اسے بددعا تو دور کی بات ہے میں نے اسے ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھا ہے اور آج بھی معنوں میں اسے ہماری ضرورت ہے۔ اسے اپنوں کا ساتھ چاہیے ماں جی! بیس سال کم نہیں ہوتے کسی کو سزا کاٹنے کے لیے اور میں خود بھی اسے دیکھنا چاہتی ہوں، اس سے ملنا چاہتی ہوں، سینے سے لگانا چاہتی ہوں ماں جی۔" عرفانہ خاتون شدت جذبات سے مغلوب ہو کر باقاعدہ رونے لگیں۔ واجدہ بیگم کی آنکھیں بھی عرفان خاتون کی محبتوں کے آگے نم ہوگئیں۔ "عرفانہ خدا تمہیں شاد و آباد رکھے، واقعی تم جیسی بیٹی کو پا کر میں نے دنیا میں جنت کما لی ہے۔" واجدہ بیگم نے آگے بڑھ کر عرفانہ خاتون کی پیشانی چوم لی۔ ذہاد یہ سب کچھ سن کر الٹے پاؤں واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا، ذہاد اپنے کمرے میں آ کر بھی بے سکون اور بے چینی سے ٹہلنے لگا اسے یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ "بڑی بھابی جلدی سے میرا بیگ پیک کردیں، مجھے کچھ دنوں کے لیے بزنس ٹور پر جاپان جانا ہے۔" وصی شاہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی زور کی آواز لگائی اور ماں جی کے کمرے میں چلا آیا اور ان کے بیڈ پر ان کے ساتھ ٹک گیا۔ "ارے چھوٹی بھاوج! جلدی سے ایک کپ گرما گرم چائے کا تو لا دیں۔" تسکین کو آتا دیکھ کر اس نے دوسری بھاوج کو چائے کا آرڈر دیا اور ماں جی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ "اے ہے..... میرا بچہ کتنا تھکا تھکا لگ رہا ہے کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کی۔" واجدہ بیگم نے اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "ارے نہیں ماں جی۔" وہ مسکرایا۔ "سب ہی تو محنت کرتے ہیں اور پھر بابا جان کو دیکھیں ابھی تک آرام سے نہیں بیٹھتے۔" "ہاں یہ تو ہے اس عمر میں بھی تمہارے بابا جان بہت محنت کرتے ہیں۔" واجدہ بیگم بدستور سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی تائید میں بولیں۔ "یہ لو دیور جی چائے۔" تب ہی تسکین چائے لے آئیں۔ "تھینک یو سویٹ بھاوج!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "کتنے دنوں کے لیے جا رہے ہو، کتنے جوڑے پیک کروں؟" عرفانہ خاتون بھی آگئیں۔ "ماں جی! وصی کی آنکھیں دیکھیں کتنے حلقے پڑ گئے ہیں۔" عرفانہ خاتون کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو قریب آ کر غور سے دیکھتے ہوئے قدرے تشویش سے کہا۔ "کام بھی تو بہت کرنے لگا ہے، راتوں کو جاگ جاگ کر۔" تسکین بیگم نے کہا۔ "آنے دو تمہارے بھیا کو کہہ دوں گی کہ کسی اور کو بھیجیں جاپان۔ وہاں جاؤ گے تو کون رکھے گا تمہارا خیال؟ ویسے ہی تم اپنی صحت کی طرف سے بالکل بے پروا ہو، یہاں پر کام کرتے ہو بس یہی کافی [illegible]

بھی اپنی ہر بات چاچو سے پوری کرواتا تھا۔ بہت اچھے اور خوش گوار دن تھے انعام شاہ اور واجدہ بیگم تو خود پر رشک کرتے تھے کہ خدا نے اتنی نیک فرمانبردار اور صالح اولاد دی ہے اور سب مل جل کر آپس میں محبتیں بانٹتے ہیں ایک دوسرے کی خوشی کے لیے ایک دوسرے پر جان لٹانے کی حد تک پیار اور اعتماد کرتے ہیں۔ وصی نے محسوس کیا تھا کہ گھر میں ان کی اور تابندہ کی شادی کے حوالے سے کچھ بات ہو رہی ہے اور عنقریب شادی ہونے کے امکانات تھے، وصی دل سے تابندہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وصی ایک سوشل، پڑھے لکھے اور چلبلے سے بندے تھے، ان کو گاؤں کے ماحول کی سیدھی سادی تابندہ کے ساتھ پوری زندگی گزارنا مشکل لگتی تھی، ویسے تابندہ انہیں اچھی لگتی تھی ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی، کام میں تیز اور خوب صورت تھی مگر جیسا شریک سفر وصی کو چاہیے تھا وہ تابندہ جیسی ہرگز نہ تھی۔ وصی نے سوچا تھا کہ جاپان سے آکر موقع دیکھ کر ماں جی سے بات کریں گے اور انہیں یقین تھا کہ ماں جی ان کی بات مان لیں گی۔ ویسے بھی وصی گھر میں چھوٹے تھے، ماں باپ، بھائی اور خصوصاً بھاوجوں کے بے حد لاڈلے تھے اور اسی لاڈ پیار نے انہیں تھوڑا سا خودسر بھی بنا دیا تھا۔ ایک ماہ کے پروگرام سے وصی گئے تھے مگر کام نمٹاتے نمٹاتے تقریباً ڈیڑھ ماہ لگ گیا اس بار سوچ کر آئے تھے کہ ماں جی سے اپنے اور تابندہ کے حوالے سے فائنل اور حتمی بات ضرور کریں گے۔ وصی گھر لوٹے تو گھر میں شادی کے ہنگامے عروج پر تھے، عرفانہ خاتون، تسکین اور ماں جی کپڑوں اور جیولری کی فکر میں تھیں۔ وصی تو پریشان ہوگئے آخر کار انہوں نے اس رات ماں جی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا، وہ رات وصی شاہ پر بہت بھاری تھی، وہ اپنے کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہے تھے۔ ماں جی کو کس طرح منع کریں؟ کیسے ان سے بات کریں یہی سوچ انہیں بے چین کیے دے رہی تھی۔ بار بار عرفانہ خاتون کا چہرہ بھی سامنے آجاتا کہ تابندہ ان کی بہن تھیں کہیں انہیں یہ بات بری نہ لگ جائے پھر ماں جی بہت پیار کرتی تھیں تابندہ کو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انکار کردیں اور میری بات نہ مانیں۔ واجدہ بیگم پانی پینے کے لیے اٹھیں تو اپنے کمرے کی کھڑکی سے وصی کے کمرے میں جلتی لائٹ دیکھ کر پریشان ہوگئیں، وصی کبھی بھی اتنی دیر تک نہیں جاگتا تھا۔ "ہائے کہیں بچے کی طبیعت خراب نہ ہو" یہی سوچ کر وہ وصی کے کمرے کی طرف آگئیں ہلکا سا ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئیں۔ "ارے ماں جی آپ؟" وصی نے اچانک ماں کو دیکھا تو چونک کر حیرانی سے پوچھا۔ "ہاں ابھی میری آنکھ کھلی تیرے کمرے کا بلب جلا دیکھا تو آ گئی خیریت تو ہے...... طبیعت ٹھیک ہے تیری؟" ماں جی نے آگے بڑھ کر وصی کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "جی جی.... بیٹھیں آپ؟" وصی نے انہیں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ماں جی ایک بات کہنی تھی آپ سے؟" وصی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں بولو..... تم پریشان لگتے ہو..... کوئی مسئلہ ہے کیا؟" واجدہ بیگم نے وصی کے ماتھے پر آئے پسینے کے ننھے ننھے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ..... وہ..... ماں جی در اصل....." وصی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا بات کیسے شروع کریں۔ "ارے بچے کیا بات ہے بول دو مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔" واجدہ بیگم پریشان ہوگئیں۔ "ماں جی میں تابندہ سے شادی نہیں کرسکتا۔" ہمتیں مجتمع کر کے آخر وصی نے کہہ ہی دیا۔ "کیا....؟" واجدہ بیگم نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر غیر یقینی انداز میں سوال کیا۔ "جی.... ماں جی!" وصی سر جھکا کر دوبارہ گویا ہوئے۔ "تیرا دماغ تو درست ہے نا، کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔ کیا اول فول بک رہا ہے تو..... کیا سوچ کر یہ بکواس کی تو نے؟" واجدہ بیگم شدت جذبات سے اٹھ کر کھڑی ہوگئیں، ان کے لہجے میں غصے کے ساتھ ساتھ انگارے بول رہے تھے۔ "ماں جی پلیز! آپ اتنا غصہ مت کریں، میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ میں تابندہ کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گا، میں آپ سے اس موضوع پر بات کرنے والا تھا کہ آپ لوگوں نے تیاریاں شروع کردیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "تابندہ بہت اچھی لڑکی ہے، اس میں بہو اور بیوی بننے کے پورے گن ہیں۔" واجدہ بیگم بدستور تیز اور غصیلے لہجے میں بولیں۔ "جی ماں جی اس سے میں نے کب انکار کیا ہے وہ لاکھوں میں ایک ہے مگر..... ماں جی پلیز..... ایک بار صرف ایک بار آپ دل سے سوچیں میرے بارے میں آپ بڑی بھابی سے بات کریں انہیں بھی یہ بات سمجھ آجائے گی اور تابندہ کے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہوگی۔ ماں جی پلیز۔" انہوں نے آگے بڑھ کر واجدہ بیگم کے ہاتھ تھام کر عاجزانہ لہجے میں التجا کی۔ واجدہ بیگم نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "آج تو یہ بات تم نے کہہ دی آئندہ ایسی بات سوچنا بھی نہیں، یہ کسی صورت ممکن نہیں جو فیصلہ ہم نے کر دیا وہ اٹل ہے۔ کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے شادی کی تیاریاں کرو اور جو آج اس کمرے میں ہماری تمہاری بات ہوئی ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں دفن کردو۔"

(باقی آئندہ شمارے میں)

یہ نہ سوچو کہ اللہ تمہاری دعا فوراً قبول کیوں نہیں کرتا
یہ شکر کرو کہ تمہارے گناہوں کی سزا فوراً نہیں دیتا
(حافظ محمد حنیف آزاد ساہیوال)

☆☆☆

انگریزی اتنی پڑھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا سکتے ہیں
اور قرآن اتنا نہیں پڑھا کہ باپ مر جائے تو بیٹا اس کا جنازہ پڑھ لے۔
(صدی احمد سیال ساہیوال)

☆☆☆

اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت دو جو اچھا ہوگا
وہ خوشی دے گا اور جو برا ہوگا وہ سبق دے گا
خلوص اور عزت بہت نایاب تحفے ہیں اس لے
ہر کسی سے ان کی امید نہ رکھو
کیونکہ بہت کم لوگ دل کے امیر ہوتے ہیں
(استاد یاسین صاحب ساہیوال)

☆☆☆

اس دشمن سے مت ڈرو جو اکیلے میں تم پر وار کرے بلکہ اُس
دوست سے ڈرو جو محفل میں تمہاری عزت پر وار کرے

نہ عروج اچھا ہے نہ زوال اچھا ہے
جس حال میں رکھے خدا وہ حال اچھا ہے
(عمر چشتی ساہیوال)

☆☆☆

اے پروردگار
مجھے وہ طاقت نہ دے جس سے میں دوسروں کو کمزور کروں مجھے وہ دولت نہ دے جس کی خاطر میں دوسروں کو غریب سمجھوں مجھے وہ علم نہ دے جسے میں رہنے سینے میں چھپا کر رکھوں مجھے وہ بلندی نہ دے کہ مجھے پستی میں کچھ نظر نہ آئے مجھے وہ سب کچھ دے جو میں دوسروں میں بانٹ سکوں اور سب کے برابر ہو جاؤں۔
(اقصیٰ شبیر ساہیوال)

☆☆☆

حرص سے روزی زیادہ نہیں ہوتی بلکہ اس سے انسان کی قدر ضرور گھٹ جاتی ہے۔
(شہزادہ چشتی 56/G.D ساہیوال)

☆☆☆

[illegible]
0347-6373135

کچھ نہیں

سنو! ابھی تو ہم تمہارے لیے کچھ نہیں
یہ دن گزر جائیں گے
یہ موسم بدل جائیں گے
وقت تو گزر ہی جاتا ہے
تمہارا بھی
ہمارا بھی
لیکن
ایک دن کسی لمحے
تم کو ہماری یاد آئے گی
تو تم بے اختیار مسکرا دو گے
لوگ تم سے پوچھیں گے کیا ہوا؟
اور
تم اپنی آنکھوں کی نمی کو صاف کرتے ہوئے
فقط اتنا ہی کہہ پاؤ گے
کچھ نہیں
شیراز احمد ساحر چشتیاں

غزل

وہ سلسلے وہ شوق وہ قربت نہیں رہی
پھر یوں ہوا کہ درد میں شعرت نہیں رہی
اپنی زندگی میں ہوگئے مصروف وہ بہت
اور ہم سے بات کرنے کی فرصت نہیں رہی
وہ پہلے جیسا پیار وہ الفت نہیں رہی
اب دوستوں میں رسم محبت نہیں رہی
برسوں سے میری یاد سے غافل ہیں رضوان
شاید اب ان کو میری ضرورت نہیں رہی
انتخاب:۔ مہر رضوان احمد جانی ساہیوال

☆☆☆☆

اشعار اپنے پیاروں کے نام
میری زندگی کی بس دو ہی خواہشیں ہیں دوست
پہلی یہ کہ تو حاصل ہو جائے دوسری یہ کہ پہلی پوری ہو جائے
محمد فیصل ناز عارف والا

☆☆☆☆

آپ میرے لیے ایک پھول کی طرح ہو
جسے ہم چھوڑ بھی نہیں سکتے اور توڑ بھی نہیں سکتے
توڑ لیا تو مرجھا جائے گا
چھوڑ دیا تو کوئی اور لے جائے گا
حنا جبر یہ شاہ مقیم

☆☆☆☆

ہونٹ ہیں لرزتے اور آنکھوں میں نمی ہے راج
سب کچھ ہے میرے پاس لیکن آپکی کمی ہے
لاڈو جٹ ساہیوال

☆☆☆☆

غزل

تجھ سے واسطہ ہر اک ذرہ بے وفا لگتا ہے
تیرے ساتھ چلنا اب مجھ کو برا لگتا ہے
یہ جو چل رہا ہے دور حیات آج کل
مجھ کو میرے ہی گناہوں کی سزا لگتا ہے
تیرے غصے سے یوں ہوا دل بیزار پنا
زمانے میں اب ہر شخص تجھ سا لگتا ہے
یہ جو درد دل جاری ہے مسلسل عاصم
کہاں سے لاؤں یہ درد مجھے لا دوا لگتا ہے
محمد امتیاز عاصم ساہیوال

انتظار

مجھے آج بھی تیرے آنے کا انتظار ہے
جان کو سکوں نہیں دل بے قرار ہے
رہتی ہیں آنکھیں نم ہر پل
اس لیے کہ ان کو تیرے دیدار کے لیے
کھانے پینے کو جی نہیں کرتا میرا
بس تیرا نام ہی تو میری زباں پر ہے
یارب ملا دے میرے یار کو مجھ سے
یار کے بغیر زندگی بے کار ہے
پیغام صبا جا کر میرے یار کو
مجھے آج بھی تیرے آنے کا انتظار ہے
رانا ظفر اقبال ساہیوال

☆☆☆☆

وفا

میں مرتے دم تک وفا کرتا رہوگا
تم نے ایسی ادا سے لوٹا مجھے کر
کر میں ہر روز مرتا رہوگا
کہتے تھے دنیا والے عشق چیز ہے عذاب
میں پھر تیرا دم بھرتا رہوگا
شاید کہ اس کو آ جائے میرا خیال اے ظفر
میں تو مرتے دم تک اُس کو یاد کرتا رہوگا
رانا ظفر اقبال

☆☆☆☆

غزل

کدی اوکھے میتوں چھڈ نا جاوی
میرے نال قسماں تے وعدے نبھاوی
تیرے دل دی دنیا
غیراں دے آکھے میتوں نا رلاوی
میں کوشش کریساں خفا کوئی ناں ہووے
بھلیکھے ہو گی تے دل تے ناں لاوی
مندا ناں سوچی کدی میرے بارے
جگ دا تماشا ناں میتوں بناوی
ٹُکاں داجوڑا میرے ناں ہووے
جتھ اج مندری میرے ناں دی پاوی
کری فد جند تیرے سر توں عامر
اے حاساناں کجھی گی لاں ناں بھلاوی
شاعر عامر

اس کی آنکھیں کہ چمکتے ہوئے جگنو
جیسے اس کی آنکھوں کے سحر سے تو نکل کر دیکھو
چوہدری فہد علی سہو کبیر والا

☆☆☆

محبت میں وفا بہت مہنگی ہو گی ہے صاحب
اگر اجازت ہو تو گناہ کر لیں
چوہدری فہد علی سہو کبیر والا

☆☆☆

مریم بخاری کے نام
کاش کے وہ لوٹ آئے مجھ سے یہ کہتے ہوئے
کنول تم کون ہوتے ہوئے مجھ سے بچھڑنے والے
کنول جی تنہا گوگو منڈی

☆☆☆

برستی ہوئی بارش اور روتی ہوئی آنکھوں کا احساس
ان کو ہی ہوتا ہے جن کے گھر اور دل نازک ہوتے ہیں
سعدیہ رمضان سعدی

☆☆☆

نفرت بتا رہی ہے
کبھی محبت گزریب کی تھی
سعدیہ رمضان سعدی صادق آباد

☆☆☆

تحفظ خواتین

تحریر زینب ملک ندیم

فروری 2016 کو خواتین کیلئے ایک ایکٹ پاس کیا گیا جس کی پنجاب اسمبلی میں منظوری دے دی گئی۔ خواتین کے تحفظ کیلئے جدوجہد جاری 24 ظلم وستم جبر ختم کرنے کی کوشش بنت حوا پس رہی تھی کب کی چکی میں اس کو تکلیف سے نکالنے کیلئے اقدامات کیئے گئے حوا کی بیٹی کو اس کے حقوق دلانے کی اپیل، بہت سے سوالات اٹھے اور اٹھائے گئے اور سوال اٹھانے والے بھی مرد ہر انسان نے اپنے فہم وشعور سے حوالے سے اپنی رائے سے اس موضوع کو زیر بحث لایا پچھلے دنوں کی بات ہے ہم نے اپنی دوست کے منہ سے سنا کہ سنو اب اگر کوئی مرد عورت پر جبر کرے گا تو اسے جیل میں قید کر دیا جائے گا اور جو عورتوں لڑکیوں کو جان بوجھ کے لڑکے تنگ کرتے ہیں انکے خلاف بھی قانونی کاروائی کی جائے گی خوشی تو بہت ہوئی مگر ایک سوال تھا جو بار بار کوندہ پڑتا تھا کیا اس سے سب ٹھیک ہو جائے گا کیا عورت محفوظ رہے گی نا؟ دیکھو اگر ایک عورت اپنے شوہر کے خلاف آواز اٹھاتی ہے تا تو مرد اپنی مردانگی کو آنچ نہیں آنے دیتا تمھے کیا لگتا ہے وہ خاموش رہے گا ایک منٹ نہ لگے گا اسے طلاق دینے میں مگر ہماری دوست کشف نے کہا کہ عورت بھی کب تک جبر سہے اس کا نظریہ بھی ٹھیک تھا عورت اگر مسلسل جبر سہتی رہے تو مرد اسے دانستہ کمزور سمجھتا ہے۔ پچھلے دنوں وہی سننے کو ملا ایک عورت نے اپنے شوہر کے خلاف ایف آئی ار درج کرائی اور شوہر نے جیل سے واپس لوٹتے پر اسے طلاق دے دی خبر چاروں سو سرگرداں تھی الیکٹرونک میڈیا پر ہر جگہ اس خبر کو اچھالا گیا ہر انسان نے اپنی عقل کے مطابق رائے دی۔ ٹاک شوز میں دھمکیاں اختلافات چپقلش کی ریل چلی جو مسلسل قائم ہے۔ ایک مخالف ایک اس بات کے حق میں مگر کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ عورت جتنا بھی آگے بڑھ لے سوال صرف اس پر اٹھایا جاتا ہے نہ میں مفتی ہوں نہ بہت بڑی تجزیہ نگار مگر مرد بھی عورت کو خود سے بلند برداشت نہیں کرتا اور ان مردوں میں تمام نہیں صرف وہ مرد شامل ہیں جو عورت کو حقیر مانتے ہیں کیونکہ خود کو آقا اور عورت کو غلام سمجھنے والے مرد عورت کی آواز اٹھنے سے پہلے ہی بند کروا دیتا ہے قانونی چارہ جوئی تھی کر لی جائے پھر بھی ایک عورت اپنے خاوند کے خلاف جانے سے پہلے اپنے بچوں کا سوچتی ہے کہ اگر اس کے خاوند نے طلاق دے دی تو اس کے بچوں کا کیا ہوگا ہر سوچ دماغ میں کھود پڑتی ہے اور اگلا قدم اٹھانے سے پہلے ہی رک جاتا ہے۔ یہ ایکٹ مثبت ہے یا منفی یہ ایک الگ سوال ہے منظور ہونے والی چیز پر عمل کے بعد وہ چیز کیا اثر دکھاتی ہے وہ اہم ہے اور ابھی تک تو کوئی مثبت پہلو نہیں دکھائی پایا۔ معاشرہ جتنے ایکٹ سے تبدیل کرنا چاہیں معاشرہ ہمیشہ ویسا ہی رہتا ہے جیسے وہ خود اپنی سوچوں کے تسلسل سے رہنا چاہتا ہے بس عورت کے لیے قدم اٹھانا اچھی بات ہے مگر ایسا قدم اٹھانا چاہیے جو کہ اس کے گھر کو نہ اجاڑ دے اسکے لیے تو بس اللہ پاک سے ہر انسان کی ہدایت کی دعا کی جا سکتی ہے اور کچھ نہیں۔

فرحین ناز طارق آف چکوال

عنوان: وہ جو نا معتبر ٹھہری

وہ جو نا معتبر ٹھہری خواہش تکمیل کو نہ پہنچیں تو ضد بن جاتی ہیں وہ اپنی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہوئی تھی یا انتقام کے جنون نے اسے بھٹکایا۔۔۔ تھا مگر جو بھی آج وہ ملک کے اہم ترین شہر کی مشہور ہاؤسنگ سوسائٹی میں بطور قاصد گھنگھروؤں کی تھاپ پر رقصاں تھی میں نے جب اسے پہلی بار دیکھا تھا تب میں اپنے کسی دفتر کام کے سلسلے میں اس ہاؤسنگ سوسائٹی گیا تھا۔ پہلی نظر دیکھنے پر ہی وہ مجھے چودہ پندرہ سال کی سکول گوئنگ بچی لگی اتفاق ایسا ہوا اس مجھے دو تین بار مزید وہاں جانا پڑا میں نے اسے وہاں کی پارٹیوں میں شراب پی کر بے ہنگم ناچ ناچتے دیکھا میری اس لڑکی میں دلچسپی بڑھ رہی تھی میں یہ جاننا چاہتا تھا وہ کن حالات کی بدولت انسانوں کے اس بے رحم جنگل میں پہنچائی گئی تھی پھر ایسا بھی ہو میں اس کو جاننے کے اسرار کے ہاتھوں مجبور ہو کر اکثر شام وہاں بتانے لگا دھیرے دھیرے وہ مجھ سے مانوس ہوتی چلی گئی اور اک دن وہ میرے سامنے کشف ہوگئی۔ اس شام بھی اس نے خوب شراب پی رکھی تھی اس کے نام نہاد بوائے فرینڈ جس کے فلیٹ میں وہ رہائش پذیر تھی اسے اکی خاصی جھڑپ ہوئی تھی اور وہ اپنے سوجے گال لیے چاند کی پھیکی چاندنی میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ زرد یاں گھلے بے رونق چہرے پر جا بجا چوٹ کے نشان تھے رونے سے مسکارے کی لکیریں سرخ گالوں پر دور تک پھسلتی چلی گئی تھیں بائیں آنکھ سوجی ہوئی تھی اور ہونٹ کا کونہ پھٹا ہوا تھا جس سے ہولے ہولے خون رس رہا تھا چاند کی چمکتی چاندنی گواہ تھی کہ یہ کشش کھوتا وجود کبھی بہت خوبصورت رہا ہوگا سنگی بینچ پر میں اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور جیکٹ کی جیب سے ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھایا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے میری طرف دیکھے گئی میں جانتا تھا مشروب ممنوعہ کی بدولت اور جذبات کی زیادتی کی بدولت وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ پائے گی سو خاموش بیٹھا اس کے بولنے کا اسے مجھ میں دلچسپی نہیں رہی وہ مجھ سے جان چھڑوانا چاہتا ہے۔ "وہ لڑکھڑائی زبان میں مجھ سے مخاطب "انتظار کرنے لگا ہوئی" وہ مجھے شادی کرنے کا جھانسا دے کر یہاں اپنے گھر لایا تھا چھ مہینے سے زیادہ بیت گئے مجھے یہاں رہتے اور اب وہ کہتا ہے کہ میں اچھی لڑکی نہیں ہوں پچھلی بار شراب بھی میں نے اس کے کہنے پر پی تھی۔ "بہت زور لگا کر بولنے کی بدولت اسکی بائیں آنکھ اس کا دل بھر گیا ہے مجھ سے "تواتر سے بہتے آنسوؤں میں وہ بے ربط باتیں کر رہی تھی۔ اسکی درد سے پھڑ پھڑانے لگی تھی تم یہاں کیسے اور کیوں کر پہنچی "اسکی حالت کو نظر انداز "آواز کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے میں مشکل سے اسکی بات سمجھ پا رہا تھا ابا۔۔۔ وہ شرابی۔۔۔ کرتے میں اس سوال تک پہنچ ہی گیا تھا جسے میں تب سے پوچھنا چاہ رہا تھا جب سے میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا گھر کا سامان بھی بیچ کر نشہ کر آتا تھا اماں گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی تھی اسی گھر میں بیٹھی رہی اسے بھائی سے بہت امیدیں تھیں وہ بڑا ہوا تو وہ بھی نشہ کرنے لگا میری بڑی بہنیں بہت سلجھی ہوئی بہت نیک لڑکیاں تھیں مگر ابا اور بھائی کے ڈر سے کوئی ان کا رشتہ نہ لیتا تھا عسرت ٹپکتی تھی اس گھر سے، میرا دم گھٹتا تھا اس گھر میں میں وہاں اپنی بہنوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا نہیں چاہتی پھر میں گھر چھوڑ کر بھاگ گئی میں شہر میں جس سکول میں پڑھتی تھی وہاں ایک امیر کبیر لڑکی تھی۔ "وہ لمبے لمبے سانس لیتے بولی میری بڑی دوستی تھی میں اس کے گھر چلی گئی پہلے تو اس نے خوب آؤ بھگت کی پھر میرا وجود اسے کھٹکنے لگا میں نا سمجھ تھی نہیں جانتی تھی ان امیر لوگوں کی دوستی ہاتھی دانت جیسی ہوئی ہے کھانے کی اور دکھانے کی اور اس نے مجھ سے جان چھڑوانے کے لیے مجھ بظاہر اک ہوسٹل میں بھجوا دیا جسکی مالکن غریب لڑکیوں کو مفت پناہ اور روزگار فراہم کرنے کیلئے مشہور تھی مگر اندر خانے بہت سے ناجائز کام جن سے سمگلنگ بھی شامل تھی کرواتی تھی مجھے بہت بعد میں علم ہوا جب تک میں لاعلمی میں بہت کچھ گنوا چکی تھی۔ وہیں میری فرمان سے دوستی ہوئی اور وہ مجھے یہاں لے آیا "وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی تھی اسکے آنسوؤں میں بھی کمی آ چکی تھی۔ گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا تمہیں سڑک پر مرنے سے بہتر تھا اپنی بہنوں کی طرح اس چار دیواری میں مرجاتی تم جانتی ہوں۔ وہ پھر سے رونے لگی واپس چلی جاؤ میں پھر بولا مار ڈالیں گے وہ لوگ مجھے ماں ہی مار ڈالے گی اور اب بچا ہی کیا ہے جسے بچانے کے لیے واپس جاؤں نشے کی زیادتی سے آنکھوں کے گرد بن چکے آئی بیگز چاند کی ہلکی روشنی میں بھی بہت واضح تھے اسے روتا چھوڑ کر میں وہاں سے اٹھ آیا پھر کئی دن میرا اس طرف جانا نہ ہو سکا میری بے چینی ختم ہو چکی تھی مجھے اپنی مصروفیت سے وقت نہ مل سکا یا شاید مجھے زیادہ دلچسپی ہی نہ رہی تھی سو میں وقت نہ نکال سکا۔ بہت دن بعد ادھر جانے کا اتفاق ہوا وہ مجھ سے بہت بے چینی سے ملی آج بھی اسکے چہرے پر جا بجا زخموں کے نشان تھے وہ فرمان کو شادی پر مجبور کر رہی تھی جو کسی بے وقعت اور بے توقیر لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ مزید اسے وہاں رکھنا بھی نہیں چاہتا تھا ان کے بیچ جھگڑا بڑھتا گیا اور اس نے اسے دھنک کر رکھ دیا مجھے اس کی حالت زار پہ بہت ترس آیا مجھے اس بات کی امید بہت کم تھی کہ اسکی آنے والی زندگی اس کی گزشتہ زندگی سے مختلف ہوگی۔ مگر میں اس کے لیئے کچھ کر نہ سکتا تھا سو چپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔ وہ پچھتاوؤں کا شکار ہو چکی تھی اور پچھتاوے میں گھر انسان بہت کم ہی سنبھل پاتا ہے میں سارا راستہ سوچتا آیا تھا کل صبح اسے عدالت لے جا کر دارالامان بھجوا دوں گا مگر اگلی صبح اک تکلیف دہ خبر میری منتظر تھی۔ ہیروئین کی زیادتی نے بالا آخر اس کی جان لے لی وہ تقدیر کی دھنی نہ تھی جذباتیت میں آ اٹھایا ایک غلط قدم اسے گناہوں کی دلدل میں دھکیلتا چلا گیا ہم اکثر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں، کچھ کو قسمت سنبھلنے کا موقع بھی دے دیتی ہے مگر وہ لڑکی تقدیر کے ہاتھوں نا معتبر ٹھہرائی گئی تھی۔

داستانِ دل کا کچن

تحریر:۔ سدرہ کنول ساہیوال

German Potato Salad

Ingredicuts:-

- آلو (کیوب کٹ) 2Kg
- پیاز (رف کٹ)
- شملہ مرچ (رف کٹ)

Ressing

- مایونیز (2 Cup)
- کریم (1 Cup)
- نمک (1 TBsP)
- Chili Ketup (2 TBsP)
- مسٹرڈ پیسٹ (1 TBsP)

Garuishing

دھنیاں، ٹماٹر، کھیرا، سبز پیاز سب چیزوں کو مکس کر کے Garuisng کر دیں۔

نوٹ:۔ آپ بھی اپنی من پسند کا کچن داستانِ دل کو سینڈ کر سکتے ہیں انچارج:۔ مہوش ملک

خط و کتابت:۔ ندیم عباس ڈھکو 0322-5494228 چک نمبر 79/5.L ڈاکخانہ 78/5.L تحصیل وضلع ساہیوال۔
Email adress:abbasnadeem283@gmail.com.

گہری بات

یار یہ دیکھو۔ تھر میں مزید 10 بچے مر گئے آمنہ نے پاس بیٹھی ثناء سے کہا۔ اور ثناء افسوس کرتی ٹی وی پہ نیوز دیکھنے لگی۔ جہاں نیوز چینل تھر کے حالات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اچھی خوراک نہ ملنے کی وجہ سے مرنے والے بچوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بریکنگ نیوز سندھ اسمبلی میں دعوت خاص تمام اعلیٰ احکام کی آمد 10 سے زائد لذیذ کھانے آمنہ یہ ہیں ہمارے ملک کے حکمران۔ آمنہ لبرشتہ ہو کے بولنے لگی۔ تم سچ کہہ رہی ہو۔ لیکن یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے ہی ووٹ دے کے اپنا حکمران بنایا۔ اور آمنہ ثناء کی گہری بات پہ اس کو دیکھتی رہ گئی۔
کنول خان ہری پور ہزارہ

ایک انصاریہ عورتؓ۔۔۔۔۔

مدینہ کی ایک عورت جو انصار کے قبیلہ کی تھیں انکو یہ غلط خبر ملی کہ رسولؐ جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں تو یہ بے قرار ہو کر گھر سے نکل پڑیں اور میدان جنگ میں پہنچ گئیں وہاں لوگوں نے بتایا کہ اے عورت تیرے باپ اور بھائی اور شوہر تینوں اس جنگ میں شہید ہو گئے یہ سن کر اس نے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ میرے پیارے نبی کا کیا حال ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ حضورﷺ اگرچہ زخمی ہو گئے ہیں مگر الحمد اللہ کہ وہ زندہ سلامت ہیں تو بے اختیار اسکی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا کہ

"تسلی ہے پناہ بیکساں زندہ سلامت۔۔۔۔۔"
"کوئی پرواہ نہیں سارا جہاں زندہ جہاں سلامت"
اللہ اکبر! ایسی شیر دل اور بہادر عورت کا کیا کہنا؟ باپ اور شوہر اور بھائی تینوں کے شہید ہو جانے سے صدمات کے تین تین پہاڑ دل پر گر پڑے ہیں مگر محبت رسولﷺ کے نشہ میں اسکی مستی کا یہ عالم ہے کہ زبان حال سے یہ نعرہ اسکی زبان پر جاری ہے کہ
"میں بھی اور باپ بھی برادر بھی فدا"
"اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم"
(آسیہ ساہیوال)

ھائے او ربا میریا
شیشا ہی بنا دیندا
ویکھو میرے یار دا
میں ہوندا کسے کار دا
کاندنال لگا رہندا
جیتھے او کھلا رد
او کیھے کے مینوں
زلفاں تے کھلا ردا
سدرہ کنول ساہیوال

نوٹ: آپ 03377017753 فیس بک پر یہ نمبر ریسرچ کر کے رابطہ کر سکتے ہیں، شکریہ
ہم کو شاعری کالم کیلئے فیس بک انچارج کی ضرورت ہے

غزلیات

رانا ظفر 03004229969
انچارج؛ منظور اکبر تبسم 03453487779
ندیم عباس ڈھکو

غزل

لہجہ ساز ہو نا چاہیے تھا
پس آواز ہونا چاہیے تھا
ادھوری داستان زندگی کا
کہیں آغاز ہو نا چاہیے تھا
الجھ کر راستے میں سوچتا ہوں
کوئی دمساز ہو نا چاہیے تھا
وہ کرگس کی اطاعت کر رہا ہے
جسے شہباز ہو نا چاہیے تھا
ہوا کر چیرنے کا حوصلہ بھی
پس پرواز ہو نا چاہیے تھا
تر در پہ قلندر آ کھڑا ہے
تجھے کو ناز ہو نا چاہیے تھا
میں نقشے کے نشاں تک آ گیا ہوں
یہیں پر راز ہو نا چاہیے تھا
حیات رائیگاں کا ایک لمحہ
کہ پس انداز ہو نا چاہیے تھا
سمجھتے تھے جسے ہمزاد ارشد
اسے ہمراز ہو نا چاہتے تھا

ارشد محمود ارشد

نظم

نہیں پڑتا فرق مجھ کو
تھے آخری الفاظ اس کے
وہ جانا دور چاہتی تھی
جدائی کا وہ اک لمحہ
ہر لمحے پہ بھری ہے
لب کچھ اور کہتے تھے
آنکھیں کچھ اور کہتی تھیں
مسلسل رو رہی تھی وہ
رخ موڑ کے بیٹھی تھی
نگاہیں ملا کے کہتی نہ
نفرت ہے مجھے تم سے
محبت کی اس کہانی کو
ادھورا چھوڑ دیا اس نے
ہزاروں ٹکڑوں میں مجھ کو
توڑ دیا ہے اس نے

شاعرہ:۔ عروج فاطمہ سیدہ ملتان

☆ہاں میں فقط تیری رہی☆

تیرے رُبرو، تیرے بعد بھی
ادھوری، ہاں میں ادھوری رہی
تو قریب ہو، چاہے ہو دور کہیں
ہمیشہ تنہا، ہاں میں تمہاری رہی
تیری ذات سے میری ذات تلک
میلوں، ہاں میلوں کی سدا دوری رہی
ہو کوشش میری، اسے ناپنے اسے کاٹنے کی
ناکامی، ہاں ناکامی میں ہی ڈھلی رہی
تجھ کو پانا تھا مجھے، خود کو کھو کر بھی
میری جستجو، ہاں یہ جستجو مگر لاحاصل رہی
تیرے لہجے کے شعلے بھڑکتے رہے
میں موم تھی، ہاں موم تھی سو پگھلتی رہی
مگر دیکھ لے ستمگر کہ باوجود اس کے
!!۔۔۔بس تیری، ہاں میں فقط تیری رہی

ازقلم: سمیعہ عبید

محبت

تم کو پتا ہے جب محبت ہوتی ہے
سسکیاں دل میں ہی روتی ہیں
ہوتا ہے دل بے چین و بے قرار
محبت میں نہ یہ آنکھیں سوتی ہیں
دو دلوں کے عہد و پیمان ہوتے ہیں
ساتھ رہنے کی قسمیں کھاتے ہیں
ایک انجانے ہی سفر پر دو دل
اپنی ہی کہانی لکھتے ہیں
سفر با سفر طے کرتے ہیں
لڑتے ہیں، جھگڑتے ہیں
روٹھتے ہیں مناتے ہیں
قسمیں کھاتے ہیں
دنوں کے ہیر پھیر ہو جاتے ہیں
وقت زمانے بدل جاتے ہیں
پھر روتے ہیں رلاتے ہیں
آدھے سفر میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
تھکتا ہے جب ایک مسافر
دوسرا مجبوری تھک جاتا ہے
کھیل ہیں عشق کے نرالے صاحب
ظاہر سے ہے وہ جیتا ہے بہت
مگر باطن سے وہ مرجاتا ہے

شاعرہ:۔ زینب ملک ندیم

میخانے

تیرے جام و میخانے جب ہم کو یاد کریں گے
وہ رو رو کے رب سے یہ فریاد کریں گے
ایک بار موقع دے دے رونے کا
ہر غم و رشتے سے تمہیں آزاد کریں گے
جب ساقی جام و میخانے نہ ہو تکے
تو اپنی آنکھوں سے یہ خالی سیراب کریں گے
ہمارے آنسو ایک دن بہہ بہہ کر
پتھروں کو بھی کوہ نور جیسا نہ یاب کریں گے
اے ماہ جبین اگر تو میرا دل توڑے گا
تو ہر کوئی محبت سے اجتناب کریں گے
نہ چکا سکو گے میرے آنسوؤں کی قیمت شمشاد
اک اک کر کے یہ حساب کریں گے

شاعر۔ شمشاد اقبال پاکپتن

غزل

تجھ کو کھو کر بھی دل رکا ہی نہیں
دیکھ لو اس کو کچھ ہوا ہی نہیں
میں ترے بعد بھی تو زندہ ہوں
ہاں مگر مجھ میں کچھ رہا ہی نہیں
خود ہی تو توڑتے ہو سب ناطے
پھر یہ کہتے ہو کچھ کیا ہی نہیں
بن کہے جو ملے غنیمت ہے
کچھ بھی خیرات میں لیا ہی نہیں
کیوں محبت کے بدلے نفرت ہے
کیا محبت کا کچھ صلہ ہی نہیں
میں اندھیروں میں بھٹکتی جاتی ہوں
راستے میں کوئی دیا ہی نہیں
اتنی گہری تو میں نہیں نوشی
کیوں مجھے کوئی جانتا ہی نہیں

شاعرہ: نوشین اقبال نوشی

بوسہ

!!!۔۔۔یارب
چاہے مجھے دنیا کے
سارے غم دیدے
بس مجھ پہ اتنا
کرم کردے
رات کو میرے
سونے سے پہلے
سپنوں میں میرے
کھونے سے پہلے
ماتھے پہ میرے
بس ایک بوسہ
میری ماں کے ہونٹوں کا
!!!!۔۔۔عطاء کردے

ازقلم: نائمہ غزل

غزل

مت پوچھئے کتاب ماضی میں کیا رکھا ہے
اپنی یادوں کو ہی بس سنبھال رکھا ہے
سپرد خاک ہو چکی مسکراہٹیں سبھی
تیرے یہ آوارگی نے ڈیرہ لگا رکھا ہے
ڈوب چکا ہوتا ساگر میں کب کا لیکن
یاد ماضی کی ناؤ نے اچھال رکھا ہے
شمع سے بھلا کیسا پروانے کا ججر
دونوں کا عجب رشتہ قدرت نے بنا رکھا ہے
رک گیا اک مدت سے خطوط کا سلسلہ
ان کتابوں کے انبار میں کیا رکھا ہے
غم، ہجر، فراق و تنہائی نے تابش
ازل سے دل پہ قبضہ جما رکھا ہے

ازقلم: علی حسین تابش ضلع بہاولنگر

غزل

تیرے لب سے جو ادا ہوتے ہیں
نصیب ان لفظوں کے بھی کیا ہوتے ہیں
میں وہاں جا کر تجھے مانگ لوں گی ساحر
کوئی بتا دے کہ فیصلے قدرت کے کہاں ہوتے ہیں
تیری یاد جب حد سے گزر جاتی ہے
میری آنکھ سے تب آنسو رواں ہوتے ہیں
کہاں جاؤں میں اب اس دل کو لیکر
تیری یاد کے لمحے تو ہر جگہ ہوتے ہیں
چوٹ عشق کی کھا کر بھی جو مسکرائے
وہ لوگ صبر کی انتہا ہوتے ہیں

اقرا انمول چشتیاں

"یہ بارش یونہی نہیں ہوتی"

جب ضبط کا بندھن ٹوٹتا ہے
آنکھوں سے چشمہ پھوٹتا ہے
اور یہ چشمہ دھیرے دھیرے
ندیا میں مل کر گھومتا ہے
پھر اس ندیا کا کچھ پانی
مٹی میں گم ہو جاتا ہے
اور باقی جو بچ جاتا ہے
وہ آسمان پی لیتا ہے
پر جب اس پانی میں پوشیدہ
درد کی اُن تحریروں کو
دھیان سے وہ پڑھتا ہے
تب خود بھی وہ رو دیتا ہے
یہ بارش یونہی نہیں ہوتی!!!

جویریہ آرزو کاشف

نظم

کبھی سوچتی ہوں کروں بیاں
اپنی الفت ان سے
کبھی اس واسطے
الفاظ نہیں ملتے
ہر کسی کی ہوتی نہیں
ایسی حسین قسمت
ہر کسی کو آپ جیسے
ہمراز نہیں ملتے

مصباح اکرم لاہور

نظم

میری خواہش بھی سن لو تم
جس دن تمہارے دل کو
محسوس یہ ہوا کہ
اب دل میں ہمارے
نہیں جگہ رہی تمہاری
تو ہم کو سزائیں دینا
تا کہ تمہارے سوا
کسی اور کہ نہ ہو سکیں ہم

ازسلمان خان خٹک پشاور

نظم

ساری زندگی میں اک پل تو ایسا ہو
جو صرف تیرا اور میرا ہو
جس میں کوئی تیسرا نہ ہو
ہم دور تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے چلے جائیں
اور ان باتوں کو سننے والا اور کوئی نہ ہو
بس میں اور تم ہوں
یونہی بیٹھے بیٹھے کسی بات پر بے تحاشہ ہنس پڑیں
ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں
ان آنسوؤں کو صاف کرنے والا اور کوئی نہ ہو
ساری زندگی میں
اک پل تو ایسا ہو
جو صرف میرا اور تیرا ہو

وسیم رضا: گگو منڈی

غزل

ذوق معبود نے سماعت کی
سر بریدہ نے جب تلاوت کی
نام لے کے تر اطہارت کی
شامل گفتگو حلاوت کی
ساتھ میرا انا نے خوب دیا
چشم پر تم نے بھی بغاوت کی
جب انہیں بھولنے لگے ہم لوگ
خوب دل نے بپا قیامت کی
قتل احساس میں ثبوت کہاں
داد قاتل کو دیں مہارت کی
رحمت کبریا نے کی قائم
پردہ پوشی ہر اک حماقت کی

قائم علوی گوجرانوالہ

غزل

ہم بھی تو دیکھیں گے ہماری محفل میں آؤ تو
میکدے توڑ دیں گے جو تم آنکھوں سے پلاؤ تو
کچھ نہیں پایا ہے اس رونق بھری محفل سے
آخری حسرت ہی پوری ہو ذرا چہرہ دکھاؤ تو
پاگل بنا پھرتا ہے اس دنیا میں اک شخص
یہ پاگل بھی سدھر جائے ذرا اپنا بناؤ تو
تیرے رخسار پہ زلفوں کا ایک تماشا ہے
میرا دل بھی بہل جائے ذرا زلفیں ہٹاؤ تو
سنا ہے چاند سی لگتی ہو جب خود کو سجاتی ہو
میری بھی عید ہو جائے ذرا خود کو سجاؤ تو

اختر حسین اختر

میرے چارہ گر میری بات سن
یہ جو چار سو ہیں اُداسیاں
یہ جو تیرگی کا حصار ہے
دل منتظر کی شکستگی
یہ جو خواہشوں کا غبار ہے
انہیں قربتوں کی بہار دے
میرے بے خبر، میرے معتبر!
میرے دل کے کچے دکان میں
کبھی ننگے پاؤں اُتر ذرا
نہ سوال ہوں نہ جواب ہوں
نہ شکایتیں، نہ وضاحتیں
نہ ہی کوئی حرف دلال ہو
میری آنکھ ہو تیسرا آئینہ
تیری آنکھ ہو میرا آئینہ
میرا ایک پل تو مجھے ملے
میری اک دعا تو قبول ہو
شب ہجر! تیرے غرور پر
کبھی قربتوں کا نزول ہو

افضل آزاد۔ ساہیوال

غزل

اے چشم درد آشنا
اک بوند برس
اک اشک چھلک
خاموش نظر! کوئی بات تو کر
دل دکھتا ہے
تو میرے دل پر ہاتھ تو رکھ
میں تیرے ہاتھ پہ دل رکھ دوں
دل درد بھرا
جو اس کو چھونے
یا اس سے ملے
اک لفظ محبت بول ذرا
میں سارے لفظ تجھے دے دوں
دل درد سراب کو آب سے بھر
تو میرے خواب پہ آنکھ تو دھر
میں تیری آنکھ میں خواب بھروں
خاموش محبت! بات تو کر

مریم کراچی

نعت

طیبہ میں گزر جاتے جو لمحات ذرا اور
بڑھ جاتی زمانے میں میری بات ذرا اور
آتے ہیں مدینے سے اشارات ذرا اور
اے جان نبی آکر ہو عالم میں سویرا
ہر روز یہاں ہے شب ظلمات ذرا اور
یہ منزل سدرہ ہے اسے کیا کوئی سمجھے
ہوتے ہیں یہاں حرف و حکایات ذرا اور
خود کو در احمد کی غلامی میں جو پایا
مغرور ہوئے ارض و سماوات ذرا اور
حسرت دل خالق میں نہیں کوئی کہ دیتا
سرکار رسالت کو کمالات ذرا اور
تو جان کرم وجہ کرم روح کرم ہے
اے عین کرم اور عنایات ذرا اور
محفل کوئی گر ذکر محمد سے سجی ہو
ہوتے ہیں وہاں پر سدا جذبات ذرا اور
پہنچے یہ شر نعت بنی قلب نبی تک
خالق سے ہے یہ ایک مناجات ذرا اور

سید عباس حیدر عابدی شر ٹوگانوی۔ ہندوستان

وہ اک شخص کتاب جیسا تھا

وہ اک شخص کتاب جیسا تھا
میرے ساتھ ہر پل رہتا تھا
میں اُسے اتنا کچھ کہتی تھی
وہ بس خاموش سا سنتا تھا
وہ اک شخص کتاب جیسا تھا
مجھ سے کبھی پلٹ کے نہ سوال کرتا تھا
وہ اک شخص لاجواب سا تھا
میرے ساتھ وہ روتا تھا
میرے ساتھ وہ ہنستا تھا
وہ اک شخص میرے لیے سکون جیسا تھا
وہ اک شخص کتاب جیسا تھا
میری زندگی کا گل اسی سے تھا
وہ ہر پل میرے ساتھ رہتا تھا
میں کلام اور وہ کتاب جیسا تھا
ہمارا رشتہ اتنا گہرا تھا
وہ اک شخص کتاب جیسا تھا
میری زندگی کا گل اسی سے تھا
ہاں گل اسی سے تھا۔۔۔!

آمنہ عبدالغفار۔۔۔UAE

اور کچھ نہیں ہوتا

عزتوں سے بڑھ کے تو
اور کچھ نہیں ہوتا
چاہتوں کی ڈوری بھی
توڑنا ہی پڑتی ہے
منزلوں کی کشتی بھی
موڑنا ہی پڑتی ہے
بھولنا ہی پڑتا ہے
خود سے پیارے لوگوں کو
اور دل کے آنگن میں
نقش ان کی تصویریں
کچھ حسین لفظوں کی
کچھ حسین تحریریں
پاؤں جن میں جکڑے ہوں
کھولنا ہی پڑتا ہے
خوبصورت آنکھوں میں
بسنے والے خوابوں کو
نوچنا ہی پڑتا ہے
دل سے ملتا ہر رشتہ
توڑنا ہی پڑتا ہے
عزتوں سے بڑھ کے تو
اور کچھ نہیں ہوتا

عصر خان کراچی

غزل

کچھ صدیوں پہلے، ہوتا جو جنم اپنا
ہم لفظ محبت کو کیا بیاں کرتے
رہتے اگر ہم، کوچے میں تیرے جاناں
ہم عشق و محبت پہ بھی شعر کہا کرتے
ملتا جو کبھی موقع ہم یہ بھی کیا کرتے
عاشق کی طرح ہم بھی دیدار کیا کرتے
اس وقت اگر ہوتی چناب کی گہرائی
ہم کچے گھڑے پہ بھی صدیوں کا سفر کرتے
تقدیر اگر ہوتی تیمور کے ہاتھوں میں
خود ہاتھوں سے اپنے ہم تخلیق صنم کرتے

ازقلم تیمور

تیرے ہاتھوں نے میرے ہاتھوں کو یوں چھوا
جیسے میرے جسم سے لے کر میری روح تک کوئی احساس ہوا
آجا آج ہم ایک دوسرے کے قریب آجائیں
جیسے کبھی دور نہ رہنے کا احساس ہوا۔۔۔!

اسماء۔UAE

کہاں ڈھونڈوں تجھے

صبح سے شام تک بجنا
تیری ہی یاد آتی ہے
تیری ہی فکر رہتی ہے
کہ موسم تو بدلتے ہیں
کبھی بارش برستی ہے
کبھی کن من کبھی ساون
کبھی بادل کبھی برسات
میری کھڑکی کے ہر پٹ میں
جب بھی آہٹ ہوتی ہے
ہر آہٹ پہ یوں لگتا ہے
کہ جیسے تم لوٹ آئے ہو
میری یہی گزارش ہے کہ اب کہ لوٹ آؤ تم
مجھے یوں نہ رولاؤ تم
سا کن سانس لگتی ہے
ہر چیز بے جان لگتی ہے
اب کہ لوٹ آؤ تم
مجھے یوں نہ ستاؤ تم

شاعرہ:۔ مہوش ملک

غزل

میرے مزاج کے سارے موسموں کو جانتا تھا
مجھ کو میری ذات کے ہر پہلو کو جانتا تھا
تنہائی کے عذاب میں اک غم شناس تھا وہ
میری آنکھوں میں رزم حزن کی کیفیت پہچانتا تھا
دلا سے دیتے اشکبار تھیں آنکھیں اس کی
نہ رہ سکوں گی کبھی اس کے بنا جانتا تھا
آنکھوں کی جنبش تک کا تھا احترام لازم
میری ہر بات بڑے انداز سے وہ مانتا تھا
میرے آنسو کی تپش اس کو کھینچ لاتی تھی
میرے در زیدہ لبوں کی ہنسی پہچانتا تھا
سمجھو تہ مقدر ہوا کرتا ہے بعض لوگوں کا
سمجھوتے کو نخوگ میں بدلنے کا ہنر جانتا تھا
غضب کرتا تھا جو وہ کرتا تھا دل کی باتیں
میرے دل کی پختہ عمارتوں کو ہلانا جانتا تھا
یونہی بیٹھے گھنٹوں اسے تکتے رہنا
جب بڑے مان سے وہ ڈانٹتا تھا

قرۃ العین سکندر لاہور

نظم بہار آئی

تو جو ساتھ تھا میرے
تو جاناں
بہاروں کے سنگ
مسکراتی تھی میں
پھولوں کی خوشبو
بن جاتی تھی میں لال پیلے گلابوں میں
پنکھ اپنے پھیلاتی تھی میں
ہر پل ہر لمحہ
کھلکھلاتی تھی میں
مگر جاناں
جانے کیوں؟
اس بار جو بہار آئی
!!!اس کا
ہر رنگ ہر انداز
خوشبو چاہت
تم بن
سب ادھورا تھا
۔۔۔۔اور
اور ہاں
!!!!میں بھی

کنول خان

نظم

کچھ تو بات تھی اس میں
مجھے وہ خاص لگتی تھی
سب ہی غم بھول جاتا میں
مسکرا کر جب بات کرتی تھی
نہ جانے وہ اب کہاں ہوگی
جو مجھ پر اعتبار کرتی تھی

شاعرہ:۔ عروج فاطمہ سیدہ ملتان

نعت رسول مقبول ﷺ

مدنی مدینے والیا کوئی سوھنا نہیں تیرے نال دا
سارا زمانہ ہے گدا میرے سوھنیا تیری آل دا
وسدا رہوے سیداں دا در آباد رہوے حیدر دا گھر
اج نہیں کوئی لجپال دا حیویں ایہہ گھرانہ بالا
دعوے نبوت دے ہوئے دعوے خدائی دے ہوئے
کے نہیں کہیا نہیں حسنؑ ہاں رتبہ علیؑ دے لعل دا
جدوں کوئی مشکل آپے مولا علیؑ نو یاد کر
مولا علی مشکل رک سب مشکلاں نوں ٹا لا
کھاوے کوئی ٹکڑا میں رو کے کوئی رکدا ئیں
اختر صدا چلا لیا بہتر نہیں نبی ﷺ دا آلؑ دا

دعاوں کا طالب:۔ محمد فیاض علی فریدی
(ایوارڈ یافتہ کیوئی دی)

غزل

تجھے کو بھی راس آ جائے ہمارا یہ الفت
اک یہی تمانہ ہم صبح شام کرتے ہیں
بھیس بدل بدل کر ملتے ہے سر شام ہے اک دنیا
اس جھرمٹ میں بھی تجھے ڈھونڈ کر ہم کمال یہ کرتے ہیں
دیکھے کبھی جو غور سے ویران، حیران ان آنکھوں میں
جو شدت سے طلب کیا کرتی ہیں
کیا ہو جول جائے اما جیسے ہم نے اتنا چاہا ہے
ہونٹوں کی لکیروں میں جس کو ڈھونڈا کرتے ہیں
غم ہو خوشی ہو تیری پرشانی کی بس تمنا ہے
بڑی شدت سے ہے اکثر ہم خواہش یہ کرتے ہیں

سیدامامہ علی راولپنڈی

غزل

تیری اس دنیا میں یہ منظر کیوں ہے
کہیں زخم تو کہیں پیٹھ میں خنجر کیوں ہے
سنا ہے کہ تو ہر ذرے میں ہے رہتا
پھر زمین پر کہیں مسجد کہیں مندر کیوں ہے
جب رہنے والے اس دنیا کے ہیں تیرے ہی بندے
تو پھر کوئی کسی کا دوست کسی کا دشمن کیوں ہے
توں ہی لکھتا ہے سب لوگوں کا مقدر یا رب
تو پھر کوئی بدنصیب اور کوئی مقدر کا سکندر کیوں ہے

ثریا محمد حسین ملک جھنگ

چالباز (2) تحریر: محمد شعیب

"کاشف۔۔۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے سرکار سے اتنی سننا پڑی ہیں۔ صرف تمہاری وجہ سے۔ پہلے میڈیا میں بدنامی کم تھی کہ اب سرکار بھی ہمیں بدنام کرنے پر تلی ہے۔ تمہارے ایک پلان نے ہمیں کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا۔" مسٹر براؤن کو آج ڈی ایس او صاحب نے بلایا تھا اور شہر کے حالات کے متعلق بریفنگ طلب کی تھیں مگر وہاں جا کر انہیں کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ میڈیا نے فوراً پانچ کھرب کے ڈائمنڈ کے بارے میں پوچھ تاچھ شروع کر دی۔ وہ سر لٹکائے خاموشی سے بیٹھے رہے "یہ آپ دیکھ رہے ہیں شہر کے جانے مانے ایس ایچ او مسٹر براؤن کیسے شہر حسان میں ہوئی اتنی بڑی بات پر خاموش بیٹھے ہیں۔ ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ آج سے ایک ہفتہ قبل ان کے دستے کی موجوگی میں ملک کا سب سے قیمتی ہیرا چوری ہوا تھا۔ اور آج تک انہوں نے کوئی وضاحت پیش نہیں کی۔" ٹی وی پر ایک رپورٹ ابھی بھی چل رہی تھی" آنکھیں کھول کر دیکھ لو۔۔ یہ ہو رہی ہے ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی عزت۔۔۔ پورا شہر ہمارے خلاف ہو چکا ہے۔" وہ کھڑی کھڑی کاشف کو سنا رہے تھے" مگر۔۔ سر۔۔ ہم نے تو اپنی تئیں پوری سعی کی تھی ناں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم نے ہی آستین میں سانپ پال رکھا ہے۔" اس کا اشارہ کاشان کی طرف تھا۔ جو آفیسر بن کر پولیس فورس میں داخل ہوا اور پھر انہی کو دغا دیا" یہ کاشان۔۔" انہوں نے جبڑے بھینچے تھے" اس کاشان کے بچے کو تو جہاں پاؤ۔ گولی سے اڑا دو۔۔۔ آستین کا سانپ۔۔۔ اب جلد سے جلد ایسا کام کرو کہ کم سے کم اس میڈیا کی تو زبان بند ہو ورنہ دو دن میں ہمارے ہاتھوں میں استعفے ہو نگے۔۔" انہیں صرف اپنی کرسی کی پڑی ہوئی تھی۔ "سر ایک کیس آیا ہے۔ تین لڑکیاں کار میں مردہ پائی گئیں۔ اور جسم پر کسی قسم کے نشانات بھی نہیں تھے۔" ایک فون کی رنگ ہوئی۔ کاشف نے فون سنا اور پھر مسٹر براؤن کو آگاہ کیا۔" جی۔۔ ہم آپ کو خبر دیتے چلیں کہ ابھی ابھی جیل روڈ پر دن دھاڑے تین لڑکیاں ایک کار میں مردہ پائی گئیں ہیں۔۔" یہ لو ہمیں خبر ملے دیر نہیں ہوئی۔ میڈیا نے کوریج پہلے ہی شروع کر دی" سر ان کا تو کام ہی یہی ہے۔۔" کاشف نے دبے لہجے میں جواب دیا" تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سب کی پگڑی اچھالتے پھریں۔۔" غصے میں ہاتھ میز پر رکھا" یہ لاشیں جیل روڈ پر پائی گئیں ہیں۔ دیکھتے ہیں سر براؤن کی فورس یہاں کب تک پہنچے۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سر براؤن نے ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا۔" اب جلدی جاؤ۔۔ ورنہ میڈیا خود اپنے کیمرے لے کر یہاں آجائے گی۔۔" "یس سر۔۔" سلیوٹ کرتے ہوئے وہاں چلا گیا" دیکھیں۔۔۔ آپ پیچھے ہٹیں۔۔ پیچھے۔۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔۔" کاشف میڈیا کے نمائندے کو پیچھے کر رہا تھا" مگر۔۔ آپ کچھ تو بتائیں کہ آخر یہ واقع کیسے پیش آیا۔۔" ایک لڑکی نے اپنا مائک آگے کیا" ابھی انویسٹی گیشن جاری ہیں۔ جیسے ہی ہمیں کچھ پتا چلتا ہے۔ ہم سب سے پہلے آپ کو ہی بتائیں گے۔۔ اب چلو۔۔ پیچھے ہو جائیں، ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔" اس نے ایک باڑ لگائی اور نمائندوں کو پیچھے کر دیا" ابھی پولیس فورس کچھ بھی بیان نہیں دے رہی۔ ہمیں جیسے ہی کوئی خبر ملتی ہے۔ آپ کو ضرور بتائیں گے۔" آواز آہستہ آہستہ مدھم ہو گئی" کچھ پتا چلا؟؟" کاشف جیسے ہی روم میں انٹر ہوا تو مسٹر براؤن نے سوال داغا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ جس میں چند کاغذات تھے۔ وہ انہیں کاغذات کو الٹ پلٹ کرتا ہوا اندر آ رہا تھا" یس۔۔ سر۔۔ تینوں کی عمر بیس سے بائیس سال کے درمیان ہے اور تینوں کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔" "نام وغیرہ کا پتا چلا؟؟" انہوں نے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا" نو سر۔۔ ان کے پاس سے کوئی ایسا سراغ نہیں ملا جس سے ہمیں ان کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔۔" اس نے فائل کو سامنے ٹیبل پر رکھ دیا" اور وہ کار۔۔۔ نمبر پلیٹ سے کچھ پتا چلا؟؟" انہوں نے ٹیک چھوڑ کر فائل کو اٹھایا اور انہماک سے فائل کو دیکھنے لگے" نو سر۔۔ وہ کار

چوری کی تھی اور نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی تھی۔۔" اس نے رہی سہی امید بھی توڑ دی" اوہ۔۔۔ اب پھر سے۔۔" انہوں فائل کو ٹیبل پر پٹخ دیا اور سر کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا" ویسے سر۔۔ ایک پلان ہے۔۔" اس کے چہرے پر شاطرانہ ہنسی تھی۔ آج پھر اس نے اپنے دماغ کا استعمال کیا" کیا۔۔" اکتاہٹ سے اس کی طرف دیکھا اس نے خاموشی سے اس کو اپنے پلان کے بارے میں آگاہ کیا۔ کمرے میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سر براؤن کو اس کا پلان اچھا لگا تھا۔ ان کے چہرے پر بھی شاطرانہ مسکراہٹ چھا گئی" ناٹ بیڈ۔۔۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا" ابھی ابھی ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ تینوں لڑکیاں جو دو دن پہلے جیل روڈ پر مردہ پائی گئیں تھی۔ ان کا تعلق ٹائیگر کلر سے تھا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ ٹائیگر کلر نے پورے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ ایسے میں اس کی تین ساتھیوں کا مردہ حالت میں ملنا۔ واقعی قابل حیران بات ہے۔۔" ایک نیا شوشہ میڈیا میں آج کل گونج رہا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی کلیئر تھی۔ انہیں نہ تو زہر دیا گیا تھا اور نہ ہی اس کا گلا گھونٹا گیا تھا۔ پھر کون ان کا قتل کر سکتا تھا۔ "سر جان آیا ہے۔۔" کاشف نے آکر مسٹر براؤن کو آگاہ کیا تو انہوں نے اسے اندر آنے کو کہا۔ وہ اندر آیا تو مسٹر براؤن نے اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کو کہا" تو پھر کیسے گزرے دو دن۔۔؟؟" جان کو دو دن پہلے ہی جیل سے رہا کیا گیا تھا۔ اس پر ایک قتل کا الزام تھا مگر خود کو قانون کے حوالے کرنے کی بنا پر اس کی سزا میں کمی کر دی گئی تھی۔ اسے پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ دو دن پہلے ہی اس کی سزا مکمل ہوئی تھی۔" بہت اچھے سر۔۔ آج کھلی فضا میں سانس لے پایا ہوں۔۔" اس نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا" گڈ۔۔۔ کوئی جاب وغیرہ ملی یا نہیں۔۔۔" "نو سر۔۔ ابھی کہاں۔۔ اور ویسے بھی اتنی جلدی جاب کیسے مل سکتی ہے خاص طور پر ایسے شخص کو جس پر قتل کا الزام ہو۔۔" وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ آج کل ماحول بہت خراب تھا۔ لوگوں کو قابل اعتماد افراد کی ضرورت تھی۔ وہ کسی ایسے شخص کو کیسے جاب دے سکتے تھے جو جیل کی ہوا کھا کر آیا ہو" میرے پاس تمہارے لئے ایک جاب ہے۔۔" یہ سن کر جان کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ انہوں نے اسے ایک چٹ پر پتا لکھ کر دیا" اس پتے پر چلے جانا۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا" چھوڑو مجھے۔۔ میں نے کہا چھوڑو مجھے۔۔۔" پولیس ایک بار پھر جان کو پکڑے لے جا رہی تھی۔" سر۔۔ آپ۔۔" ایک صحافی مسلسل بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر کاشف نے کوئی جواب نہ دیا اور کندھے جھٹکا کر آگے کی طرف بڑھ دیا۔ اس کے مضبوط مردانہ ہاتھوں نے جان کو گرفت میں لے رکھا تھا" جی سر براؤن کی فورس ہمیں کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ ابھی تک ان تین لڑکیوں کا کیس معمہ بنا ہوا ہے اور انہوں نے اس کیس میں تو کوئی پیش رفت نہیں کی مگر ایک شہری کو شہر کے جانے مانے کلب سے گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں۔" جان کو موبائل میں بٹھانے کے بعد کاشف میڈیا کی طرف متوجہ ہوا" آپ سب اپنی اپنی قیاس آرائیاں بند کریں۔۔ اور ہمارے ڈیپارٹمنٹ پر بہتان باندھنا بند کریں۔۔۔" "لیکن جب تک آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کیا سچ ہے؟" ایک صحافی نے مہارت سے سوال داغا" دیکھیے۔۔ ہم اس کو اسی کیس کے سلسلے میں لے کر جا رہے ہیں۔ ہمارے پاس کئی شواہد ہیں۔ بس اسی پر پیش رفت کر رہے ہیں۔" "آپ کے پاس کون سے شواہد ہیں۔ ہمیں بھی بتائیے۔" ایک کے بعد سوالوں کا انبار لگ رہا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر اور صحافیوں کے درمیان رہتا تو قریب تھا کہ وہ سچ اگل دیتا" دیکھیے۔۔۔ کل شام تک ویٹ کر لیں۔۔ کل سر براؤن آپ نیوز کانفرس کریں گے۔۔ تب آپ جو مرضی سوال کر لیجیے گا۔۔ شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے موبائل میں سوار ہوا۔ اور ہارن بجاتی موبائل سڑک پر دھواں چھوڑتی غائب ہو گئی۔ میڈیا میں ہر طرف صرف

جان اور ان تین مردہ لڑکیوں کی خبر ہیڈ لائن بنی ہوئی تھی۔ ہر چینل ہر گھنٹے میں کم سے کم دس بار اس کیس کو دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ پولیس فورس پر کئی سوال اٹھائے گئے تھے۔ اسی کا جواب دینے سر براؤن نے پریس کانفرس کرنے کا فیصلہ کیا تھا" سر جان کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟" ان کے بیٹھتے ہی دائیں طرف سے ایک سوال داغا گیا" بہت گہرا تعلق ہے۔۔" انہوں نے سیٹ سنبھالتے ہوئے جواب دیا" ہمیں بھی بتانا پسند کریں گے۔۔" اسی صحافی نے دوبارہ سوال داغا" جی ضرور۔۔۔ آپ سب میڈیا والے یہ بات جاننے کے لئے اتنے اتاولے مت ہوں۔ میں یہاں ہر سوال کا جواب دے کر ہی جاؤں گا۔ آپ خاموشی سے بس میری بات سنیں" ماحول میں کھنکار کی آواز گونجی۔ کاشف نے چند پیپرز لا کر اس کے سامنے رکھے" تو سنیے۔۔۔ تین لڑکیاں جو دو ہفتے پہلے جیل روڈ پر مردہ پائی گئی تھیں۔ ان کا ٹارگٹ کلر سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی ان کو ٹارگٹ کلر نے قتل کیا ہے۔۔" انہوں نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو فوراً سوال داغا گیا" پھر ان کی موت کیسے ہوئی؟" "دیکھیے۔۔ پہلے بھی میں نے کہا ہے کہ آپ میری بات سن لیں۔۔۔" انہوں نے سب کو خاموش کروایا" جان۔۔۔ جان کا اس کیس سے گہرا تعلق ہے۔ آپ جو اسے معصوم شہری کہہ کر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ جان لیجیے کہ وہ معصوم نہیں ہے۔ وہ ایک انسان کا قاتل ہے اور جس دن ان لڑکیوں کا قتل ہوا تھا۔ اسی دن اسے رہائی ملی تھی" "پھر بھلا اس کا ان لڑکیوں کے کیس سے کیا تعلق ہے؟" صحافی اپنی عادت سے مجبور تھے۔ ایک کے بعد ایک سوال داغ رہے تھے" جن لڑکیوں نے اس کے خلاف گواہی دی تھی۔ ان تینوں کو پتا جان کو مل گیا تھا۔ وہ بس بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اور رہائی ملتے ہی اس نے ان تینوں سے اپنا بدلہ پورا کیا۔ ان تینوں لڑکیوں کا نام ایزا، مینا اور نائجل تھا۔ وہ تینوں ایک پارٹی میں سے واپس اپنے گھروں کو جا رہی تھی۔ اسی پارٹی میں جان بھی شامل تھا۔ اس نے ان تینوں کو پہچان لیا مگر وہ اسے نہ پہچان سکیں۔ جان نے ان کی کار کے شیشوں کو جام کر دیا۔ اور جیسے ہی وہ کار میں بیٹھ کر کار سٹارٹ کرنے لگیں تو کار میں یک دم دھواں بھر گیا اور کار کے دروازے تو پہلے ہی جام کئے جا چکے تھے اس لئے ان کی موت ہوئی۔ یہ سب ہمیں جان نے بتایا ہے۔۔" "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جان ہی نے یہ سب کچھ کیا؟" "اچھا سوال ہے۔۔ ہمیں کار سے ایک لاکٹ ملا تھا۔ جیل میں ہم نے اکثر وہ لاکٹ جان کے گلے میں دیکھا تھا۔ اس کے اوپر جو فنگر پرنٹس تھیں وہ بھی جان کی تھیں۔۔" سوال جواب جاری رہے۔ مسٹر براؤن نے سب کو مطمئن کر دیا" ہماری پولیس فورس نے ایک ایسے کیس کو سلجھا دیا جسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ کبھی سلجھے گا ہی نہیں۔۔ ہمیں امید ہے کہ آگے بھی ہماری فورس یونہی اپنے شہریوں کے مسائل کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔۔" "کم ان۔۔" سر براؤن نے کاشف اور جان کو اندر آنے کو کہا" واہ۔۔ سر آپ تو گریٹ ہو۔۔۔" جان ان کے سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا" یہ سب کاشف کا پلان تھا۔۔۔" انہوں نے کاشف کی طرف اشارہ کیا" سر ایک عام سی موت کو جب ہماری میڈیا نے اتنا اشو بنا دیا تو میں نے سوچا ایک تیر سے کئی شکار کر لئے جائیں۔ ایک طرف ہمارے ڈیپارٹمنٹ پر جو بہتان لگے ہوئے تھے وہ مٹ گئے اور دوسری طرف ہماری شہرت بھی کافی خوب ہو گئی ہے۔۔" اس نے شاطرانہ انداز میں گردن جھٹکی" گریٹ۔۔۔ مجھے یہی تو پسند ہے تمہاری بات۔۔۔ تمہاری چالبازی ہی تو میرے دل کو بھاتی ہے۔۔" "اور مجھ کو بھول گئے اگر میں اس پلان کا حصہ نہ بنتا تو کچھ نہ ہو پاتا۔۔۔" جان نے مداخلت کیا" اوہ۔۔ تم کو کیسے بھول سکتے ہیں۔۔ تم تو ہمارے پلان کی جان تھے جان۔۔" ایک قہقہہ فضا میں گونجا" اب تو ساری عمر مجھے یہیں رہنا ہے۔۔۔ بن کر آپ کا مہمان۔۔" اس نے شاطرانہ ہنسی کے ساتھ اپنے پاؤں میز پر رکھے۔